جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ



مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۶ء، جلد نمبر ۱۷، شمارہ نمبر ۹، سلسلہ نمبر ۱۷۳

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 09412496763-08006075484

ای۔میل: jimask94@gmail.com, ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی

اڑی فوجی کیمپ پر ۱۸ر ستمبر کو علی الصباح ہونے والے حملے نے پورے ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ حکومت کے اعلیٰ عہدیداران، وزراء اور مشیران نے ایک لمحہ سوچے بغیر اعلان کر دیا کہ یہ حملہ پاکستان نے کرایا ہے۔ یہ حملہ جس میں ۱۸ر سے زیادہ سیکورٹی اہلکاروں کی جانیں گئیں انتہائی افسوس ناک تھا، جس کی ہر سطح پر مذمت کی جانی چاہیے، اس قسم کے حملے خواہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہوں، ایسے حملے کرنے والوں، نیز ان کے سہولت کاروں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جانی چاہیے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جانا چاہیے۔

بایں ہمہ تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو اس حملے سے کم سنگین، الم ناک اور دہشت ناک نہیں اور وہ ہے وادیٔ کشمیر میں گزشتہ ڈھائی مہینوں سے جاری سخت کرفیو، نقل وحمل کی پابندی اور ہڑتالیں، جس کے باعث وادی جہنم زار بن کر رہ گئی ہے۔ لوگ کھانے پینے کی اشیاء کے لیے ترس گئے، جان لیوا امراض میں مبتلا بہت سے لوگ بروقت دوا کی عدمِ دست یابی کے سبب زندگی کی جنگ ہار گئے اور شیر خوار بچے دودھ کے لیے تڑپتے رہے۔ اسی کے ساتھ نہتے مظاہرین پر براہ راست فائرنگ سے ۸۰ر سے زیادہ نوجوان، بچے اور بوڑھے موت کے منھ میں چلے گئے، تقریباً دس ہزار لوگ زخمی ہوئے، جن میں سیکڑوں پیلٹ گن کے چھروں کے لگنے سے بینائی سے مکمل طور پر محروم ہو گئے۔

مرکزی حکومت ایک طرف یہ رٹ لگاتی ہے کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے، کشمیر ہمارا ہے اور کشمیری لوگ بھی ہمارے اپنے ہیں، دوسری طرف یہ خونیں رقص، غیر مسلح عوام پر جبر وتشدد، آخر یہ سب چہ معنی دارد؟ ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں مثلاً آسام، منی پور، ناگالینڈ وغیرہ میں بھی علاحدگی کی تحریکیں چلیں اور اب بھی وہ پورے طور پر ختم نہیں ہوئی ہیں، نکسلی کئی علاقوں میں سرگرم ہیں اور مسلح کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ان سارے ہی علاقوں میں اب تک ہزاروں پولیس، سی، آر، پی، ایف اور فوج کے جوان علاحدگی پسندوں کے حملوں میں مارے جا چکے ہیں، ہندوستان کے خلاف مظاہرے اور احتجاج بھی ہوئے، لیکن کسی بھی جگہ نہ براہ راست مظاہرین کے سینوں پر گولی چلائی گئی اور نہ ہی مہلک پیلٹ گن نے کسی کی بینائی چھینی۔ رواں برس کے شروع میں ریاست ہریانہ میں جاٹ آندولن میں جس قسم کا تشدد کیا گیا، سڑکیں کھود

ڈالی گئیں، ریلوے ٹریک اکھاڑ دیئے گئے، دوکانیں اور مکانات لوٹ لیے گئے، نیز سرکاری وغیر سرکاری املاک کو شدید نقصان پہنچایا گیا، تاہم نہ کہیں پیلٹ گن استعمال ہوئی اور نہ تشدد کرنے والوں کو پکڑ کر جیلوں میں بند کیا گیا۔ کیا یہ سب کچھ اس تضاد کو اجاگر نہیں کرتا جو ہماری حکومت کشمیریوں اور غیر کشمیریوں کے تعلق سے روا رکھتی ہے؟ ہم جتنی جلدی اس سچائی کو تسلیم کرلیں کہ کشمیر ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اسے سیاسی طریقے سے ہی حل کیا جاسکتا ہے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔

حکومت کی ذمے داری محض یہ کہہ دینے سے ختم نہیں ہوجاتی کہ کشمیر میں جو کچھ ہورہا ہے، اس کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ ہے۔ اگر پاکستان کا ہاتھ ہے بھی تو سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے سات لاکھ فوجی و نیم فوجی اہلکار کشمیر میں کیا کررہے ہیں؟ ان پر سالانہ اربوں ڈالر کیوں کر خرچ کیے جارہے ہیں؟ ابھی حال ہی میں تین چار غیر مسلم صحافیوں کے ایک گروپ نے وادی کا چار روزہ دورہ کیا، اس دوران انھوں نے ہر طبقے کے لوگوں سے ملاقات کی، ہر ایک سے تفصیلی بات چیت کی، تمام تر صورتِ حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، انھوں نے کشمیر سے واپس آکر جو چشم کشا صورتِ حال بیان کی وہ زمینی حقیقت کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ ان کے مطابق پہاڑیوں سے لے کر ندی نالوں تک، وادی سے لے کر میدانوں تک، مسجد کے میناروں سے لے کر ذاتی رہائش گاہوں تک ہر ایک جگہ اظہارِ ناراضگی کے جھنڈے اور بینرز، سیکورٹی ایجنسیوں کے مظالم کی داستانیں ہر ایک شخص کی زبان پر، ۷ رسال کے بچوں سے لے کر ۷۰ رسال کے بوڑھوں تک سب کی زبان پہ آزادی کا نعرہ اور ترانہ۔ ان صحافیوں نے وزیر اعظم مودی کے نام زمینی صورتِ حال پر مشتمل کھلا خط تحریر کرکے، انھیں اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو کیا یہ امید کی جاسکتی ہے کہ حکومت آئندہ دنوں میں کشمیریوں کے زخموں پر مرہم رکھے گی، نہ کہ نمک پاشی؟ کاش ایسا ہوجائے اور وادیٔ کشمیر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ پھر جلوہ گر ہو!

❀❀❀

آئندہ چند مہینوں میں یوپی اسمبلی کے لیے انتخابات ہونے والے ہیں، جس کی تیاری میں ہر ایک سیاسی جماعت گزشتہ ایک سال سے لگی ہوئی ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد کانگریس یوپی سے تقریباً ختم ہوگئی تھی، اس مرتبہ نئے جوش وجذبے اور نئی قیادت کے ساتھ میدان میں اترنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ راہل گاندھی کسان یاترا لے کر چل رہے ہیں، جس کے دوران انھیں غیر متوقع عوامی پذیرائی مل رہی ہے۔ کانگریس نے الیکشن کی چانکیہ چال کے ماہر سمجھے جانے والے پرشانت کشور کی خدمات بھی حاصل کی ہیں، ساتھ ہی انتخابی سیاست کے کامیاب کھلاڑی غلام نبی آزاد بھی اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، دیکھیے نتیجہ کیا ہوتا ہے؟

بی، جے، پی حسبِ عادت فرقہ پرستی پر یقین رکھتی ہے اور وہ یہاں ہندو مسلم فساد کی آگ میں اپنی روٹیاں سینکنے پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ اس کے کئی ریاستی اور مرکزی لیڈران مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز بیانات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور سب کا ساتھ، سب کا وکاس کا نعرہ لگانے والے مودی جی ان پر خاموش تماشائی۔ دوسری طرف یوپی کی دو مضبوط سیاسی جماعتوں سماجوادی اور بہوجن سماج نے سیاست کی بساط پر اپنے مہرے فٹ کرنا شروع کر دیے ہیں۔ جہاں سماج وادی اکھلیش حکومت کے ترقیاتی پروجیکٹوں اور سڑکوں کی تعمیر و توسیع کے نام پر عوام کو لبھانے کی کوشش کر رہی ہے، وہیں بہوجن سماج سپریمو مایاوتی نے دلت مسلم کارڈ کھیلنے کی پوری منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اطلاعات کے مطابق اب تک وہ ۱۸۲ر مسلمانوں کو ٹکٹ دے چکی ہیں جو ریاست کی تاریخ میں ریکارڈ تعداد ہے، اس کا انھیں فائدہ بھی ملے گا۔ مایاوتی کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ ان کے دورِ حکومت میں ہندو مسلم فساد نہیں ہوتے، غنڈہ گردی پر روک لگ جاتی ہے، حکومتی عملہ اپنی ڈیوٹی کے تعلق سے سنجیدہ اور مستعد ہو جاتا ہے، جب کہ سماجوادی حکومت میں اب تک ایک درجن سے زیادہ فسادات ہو چکے ہیں، جن میں مظفر نگر کا فساد انتہائی خوف ناک رہا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان فسادات میں کسی ایک بھی شخص کے خلاف نہ کارروائی ہوئی اور نہ کوئی باز پرس۔ لگتا ہے کہ مظفر نگر فساد میں مارے جانے والے ۷۰ر افراد خود ہی مر گئے تھے یا پھر کسی ان دیکھی مخلوق کی تلوار سے؟ مزید برآں سماجوادی سپریمو ملائم گھرانے کے اختلافات نے شدت اختیار کر لی اور یہ سب کچھ میڈیا کی زینت بن چکا، جس سے عوام کا بیزار اور پارٹی سے دور و نفور ہونا ایک قدرتی بات۔

۞۞۞

عالم اسلام جس بحران سے گزر رہا ہے اس کی مثالیں ماضی میں نہیں۔ شام ہو کہ عراق، یمن ہو کہ لیبیا، مصر ہو کہ ترکی، سعودی ہو کہ عرب امارات، پاکستان ہو کہ افغانستان قتل و غارت گری، دہشت گردی و سفا کی، قتل و خوں ریزی، اقتصادی بربادی اور معاشی تباہی۔ گھروں سے بے گھر ہونے والے قافلہ ہائے بے سمت، درد ہی درد ہے مگر کوئی درماں نہیں۔ صرف ایک ملک شام میں اب تک پانچ لاکھ سے زیادہ افراد مارے جا چکے ہیں اور پچاس لاکھ کے قریب اپنا گھر بار چھوڑ یورپ کے ملکوں میں دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور۔ کسی ملک نے اپنی سرحدیں سیل کر دیں تو کسی نے بہ زور طاقت ان خانماں بربادوں کو بے دخل کر دیا اور اماں ملی تو خیموں اور کیمپوں میں، جہاں زندگی کی ضروریات ندارد۔ کتنی ہی باعزت خواتین نے اپنی عصمتیں فروخت کیں، کتنے ہی بچے درندہ صفت انسانی اسمگلروں کے ہتھے چڑھ گئے اور حد تو یہ ہے کہ اب تک ۵۰۰ر مرد و خواتین اسلام چھوڑ ''عیسائیت'' اختیار کر چکے ہیں، انسانی امداد اور پناہ دینے کے نام پر عیسائیت

کی تبلیغ کا یہ افسوس ناک سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ فإلی الله المشتکی! عالم اسلام کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے سے ہی فرصت نہیں۔ ایران کئی ایک مسلم ملکوں میں مسلح بغاوت کو ہوا دے رہا ہے اور اپنے باضابطہ فوجی تک وہاں بھیج کر جنگ کی آگ بھڑکا رہا ہے، جس کا اعتراف ایک سے زائد مرتبہ وہاں کے اعلیٰ فوجی افسران کر چکے ہیں۔ بعض دوسرے ممالک کا رویہ بھی اس حوالے سے انتہائی مشکوک اور مجرمانہ ہے۔ یہ کب ہوش کے ناخن لیں گے، اس ملت کی فلاح کی فکر کب کریں گے اور مثبت ذہن اور تعمیری مذاکرات کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کا شعور ان میں کب پیدا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یورپ جنگوں سے لہولہان ہونے کے بعد سنبھل گیا اور اب ترقی کے منازل تیزی کے ساتھ طے کر رہا ہے، مگر مسلم ممالک ہیں کہ تباہ کن جنگوں کی دلدل میں روز بہ روز دھنستے جا رہے ہیں۔ کیا ایران جو شام کے بے قصور عوام پر بموں کی بارش کرنے اور درندگی کی تمام حدیں پار کر جانے والے بشار الاسد کی ہر سطح پر حمایت اور مدد کرنے پر نازاں ہے، وہاں کے لٹے پٹے قافلوں کو اپنے ملک میں پناہ نہیں دے سکتا، عرب و افریقی ممالک میں شیعیت کی ترویج کے لیے پانی کی طرح بہائے جانے والے اربوں ڈالر میں سے ایک حصہ، ان مہاجرین کی آبادکاری پر خرچ نہیں کرسکتا؟ اسی طرح یمن جنگ میں شریک عرب اتحادی ممالک ان مصیبت زدوں کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتے، ان کے دکھ کے مداوا میں اپنا اپنا حصہ نہیں ڈال سکتے اور ترکی کی طرح ان کے لیے زندگی کی سہولیات فراہم نہیں کرسکتے؟

کیا ان ممالک کے حکمرانوں کو اس حقیقت کا ادراک نہیں کہ ہم بم برسا کر منٹوں سیکنڈوں میں اونچے اونچے محلات کو ملبے کا ڈھیر بنا دینا تو آسان ہے، مگر ان کی از سرِ نو تعمیر کس قدر اور مہنگی مشکل؟ اس حوالے سے عراق کی مثال سامنے ہے جو امریکی اتحادی حملوں سے پہلے صدام حسین حکومت کے جبر و تشدد کے باوصف ایک خوش حال، آباد و شاداب ملک تھا، وہاں شرحِ تعلیم نوے (٩٠) فیصد تھی، نہ اشیائے خورد ونوش کی قلت تھی، نہ صحت کے مراکز اور ہسپتالوں کی کوئی کمی، نہ کسی قسم کی بھکمری تھی اور نہ ہی القاعدہ یا داعش کی دہشت گردی کا کوئی سایہ، لیکن حملے اور صدام کی بے دخلی کے بعد نہ بغداد کی سڑکوں پر وہ رونق رہ گئی، نہ سامانِ زیست کی سابقہ فراوانی، نہ صحت کی ارزانی اور نہ ہی تعلیم کا مضبوط نظام، آج کا عراق شیعی ملیشاؤں کے انسانیت سوز مظالم سے کراہ رہا ہے، قتل وخون کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے، نہ سڑک و راستے محفوظ اور نہ ہی دوکان ومکان و مکین مامون، کیا یہی وہ روشنی تھی جس کو صدام حکومت کا چراغ گل کر کے جلانے کی نوید سنائی گئی تھی؟

وہ تیرگی بری نہیں اگر سکون کی نیند ہو ۔۔۔ یہ روشنی عذاب ہے خواب جو نہ آسکیں

❁❁❁

قرآن کریم کا عالم گیر تصورِ اخوت

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

قرآن کریم وہ واحد مذہبی کتاب ہے جس نے انسانی تکریم و انسانی شرف و عزت کا اعلان مذہب کی ایک بنیادی سچائی کے طور پر پیش کیا، چناں چہ قرآن کریم نے انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلے میں جو اعلان کیا اس میں انسان کو خدا تعالیٰ کے نمائندہ و نائب کی حیثیت سے نمایاں کیا۔ قرآن نے اعلان کیا:

''اے ملائکہ! میں زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''(البقرۃ:۳۰)

وہ نائب خدا حضرت آدم علیہ السلام تھے، آدمؑ کا اپنے قادر مطلق مالک کے نمائندہ ہونے کے سبب انہیں اشرف المخلوقات کا رتبہ و اعزاز حاصل ہوا۔ قرآن کریم نے کہا:

''ہم نے انسان کے ظاہری وجود کو بہترین سانچے میں ڈھالا۔''(التین:۳)

انسان کے باطنی وجود یعنی اس کی روح کو خدا تعالیٰ نے اپنی خاص روح قرار دیا اور کہا:

''میں نے آدم کے وجود خاکی میں اپنی روح ڈالی۔''(الحجر:۲۹)

قرآن نے آدم اور اولادِ آدم کو عزت و فضیلت کے مرتبے سے نوازنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

''اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت و فضیلت سے نوازا۔''(بنی اسرائیل:۷۰)

یہ عزت و شرف عقیدہ و مذہب سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ آدم اور انسان بحیثیت انسان کے اس عزت و شرافت کے حق دار بنائے گئے اور تمام مخلوقات پر اس مخلوق کو برتری عطا کی گئی۔

انسان ربّ العالمین کا نمائندہ

خدا تعالیٰ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے آپ کو ربّ العالمین (تمام جہانوں کا رب) کہا اور اپنی پروردگاری کا تعلق صرف انسانوں سے قائم نہیں کیا، بلکہ تمام مخلوقات سے قائم کیا اور اس کا مطلب یہ قرار دیا کہ خدا تعالیٰ کا نائب خدا تعالیٰ کی اس صفت کا مظہر ہے اور آدم کی خلافت خدا تعالیٰ کی ربوبیت و پروردگاری کا عالم اسباب میں اس کا ذریعہ و سبب ہے۔ یہودی خدا تعالیٰ کو اپنی قوم میں محدود کرتے تھے اور اسے ربّ الیہود کہتے تھے۔ نصاریٰ باپ بیٹے روح القدس کے عقیدۂ تثلیث میں خدا کو اپنے اندر محدود کرتے

تھے۔لیکن قرآن کریم کا پہلا سبق (الفاتحہ) خدا تعالیٰ کی عام ربوبیت اور عام رحمت کا اعلان کر رہا ہے۔

یہ بنیادی عقیدہ قرآن کریم نے پوری اہمیت کے ساتھ پیش کیا اور اسی بنیادی حقیقت پر اولادِ آدم آپس میں بھائی بھائی قرار پائے۔ہادیٔ قرآن حضرت محمد ﷺ نے اپنے آخری خطبہ (حجۃ الوداع) میں اعلان فرمایا:

''اے لوگو! تم سب عربی، عجمی، امیر و غریب، کالے اور گورے، آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔'' (حدیث پاک)

ایک باپ کی اولاد کو تقسیم کرنا ایک غیر فطری بات ہے اور ایک باپ کی اولاد کے درمیان اخوّت اور بھائی چارے کا رشتہ ایک فطری حقیقت ہے۔

مذہب کا اختلاف انسانیت کو تقسیم نہیں کرتا

عقیدہ اور مذہب کے اختلاف سے یہ رشتہ متأثر نہیں ہوتا، اور اسلام نے اس رشتۂ اخوت کو بنیادی حقوق کے نام سے ایک مستقل نظام کی شکل دی ہے، تاکہ بھائی چارہ صرف ایک نعرہ بن کر نہ رہ جائے اور اس نعرے کو دنیا والے سیاسی فائدہ اٹھانے تک محدود نہ کریں۔

رسولِ پاک ﷺ نے اس قرآنی اعلان کو جس انداز سے پیش کیا اس میں ''انسانی اخوت'' توحید اور نبوت کے بنیادی عقائد کے بعد تیسرا بنیادی عقیدہ قرار پاتا ہے۔حضور ﷺ ہر نماز کے بعد عام طور پر یہ دعا کرتے تھے:

''الٰہی! تو حقیقی پروردگار ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو واحد ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (یعنی میں) تیرے رسول ہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' (ابوداؤد جلد اوّل، کتاب الادعیہ)

رسول پاک کی دعا انسانی اخوت پر گواہی ہے۔دعا کا پیرایہ اخلاص کا اسلوب ہے۔اس پیرایے میں انسانی اخوت کا اعلان انسانی بھائی چارے کے عقیدے میں اخلاص پیدا کرتا ہے اور ایک سیاسی فیشن اور سیاسی نعرہ نہیں رہتا۔

پڑوسی کا عالم گیر تصور

پڑوس اور پڑوسی کا رشتہ فطری کشش رکھتا ہے۔قرآن نے اس رشتے کے تعلق سے انسانی اخوت کے رشتے کو مستحکم کیا ہے۔قرآن کہتا ہے:

''خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور پڑوسیوں کے ساتھ جو تین قسم کے ہیں، ان کے ساتھ بھی۔''

قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

''رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ، اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلونشیں پڑوسی کے ساتھ۔'' (النساء)

یہ پہلونشین پڑوسی، پاس بیٹھنے اٹھنے والے، اس پیرایہ میں بڑی وسعت ہے، شارحین قرآن نے وقتی طور پر کچھ دیر کے لیے بھی پاس بیٹھنے والے شخص کو اس وسیع مفہوم میں شامل کیا ہے، اور مدرسے میں، دفتر میں، ریل و سفر میں، بازار اور دکان میں چند منٹ کے لیے پاس بیٹھنے والا اس دائرۂ پڑوس میں شامل ہوجاتا ہے۔

غور کرو کہ قرآن کریم کے معجزانہ اسلوب میں پڑوسی کے دائرے میں مسلمان، غیر مسلم، امیر و غریب اور مرد و عورت، سب شامل ہوجاتے ہیں، اور اس طرح انسانی اخوت کے رشتے میں شہری زندگی کا ہر فرد بھائی نظر آتا ہے۔

قرآن سے پہلے پڑوسی دیوار بیچ کا پڑوسی تھا، قرآن نے اس حد بندی کو ختم کرکے شہری زندگی کے ہر فرد کو پڑوسی کے فطری رشتے میں شامل کر دیا ہے، یہ ذمہ داری تھی اس کتابِ ہدایت کی جو زندگی کے وسیع ترین دور اور بین الاقوامی عہد کی رہنمائی کا اعلان کرتی ہے۔

قرآن کریم کا حقیقی معجزہ

قرآن کریم مختلف لسانی، ادبی اور تاریخی پہلوؤں سے معجزہ ہے، لیکن حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن کے اس پہلو کو اہمیت دی ہے اور اسی پہلو کے معجزہ ہونے کو ترجیح دی ہے، کہ قرآن کی تعلیمات، عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات ہر دور کی انسانی ضروریات کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑوسی کے اسی مفہوم وسیع اور مفہوم عام کے اعتبار سے یہ ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں'' تین دفعہ فرمایا: ''وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ ہو۔'' (مشکوٰۃ، کتاب الادب)

غور کرو! رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسلمان کو کتنا امن پسند اور کس قدر انسان دوست بتایا ہے۔ علماء کرام پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی احادیث کا تعلق دیوار بیچ پڑوسیوں سے قائم کرتے ہیں، لیکن ہادیٔ قرآن کے ذہن میں قرآن کا وہی تصور تھا جو اوپر مذکور ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔'' (مشکوٰۃ، کتاب الادب)

مولانا حالی نے اس حدیث کا ترجمہ ایک شعر میں اس طرح کیا:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر　　　خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

نظامِ اخوت، بنیادی حقوق

ضروری تھا کہ انسانی اخوت کے بنیادی تصور کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے ایک مضبوط عملی پروگرام بنایا جائے، چناں چہ اسلام نے بنیادی حقوقِ انسانی کے نام سے ایک منظّم پروگرام بنایا اور مشہور امام فقہ علامہ شاطبی القرطبی (ساتویں صدی ہجری) نے اس نظام کو مقاصد ضروریہ کے نام سے اپنی کتاب الموافقات میں تحریر کیا، قرآن کریم نے تکریم آدم کا جو نظریہ بنیادی تصور کے طور پر پیش کیا تھا، اسے فقہاء نے قانونی پیرایہ میں پوری تفصیل کے ساتھ مرتب کیا، جو یہ ہے:

(۱) نفس انسانی کا تحفظ، قتل ناحق کی ممانعت

(۲) نسل انسانی کا تحفظ، زندگی کی ضروریات، روٹی کپڑا اور علاج کا انتظام

(۳) مذہبی آزادی کا احترام، عقیدہ میں جبر و زبردستی کی ممانعت

(۴) ضمیر کی آزادی

(۵) مال اور ملکیت کی حفاظت، معاشی آزادی

ہر انسان یہ حقوق رکھتا ہے، اس کا مذہب اور عقیدہ کچھ بھی ہو، اور ہر مسلمان پر اپنی حیثیت واثر کے مطابق ان حقوق کی تعمیل لازمی قرار دی گئی ہے۔

بے قصور انسانوں کو سیاسی اور ذاتی پُرخاش کے سبب ہلاک کرنا قرآن کے نزدیک فسادِ کبیر اور بڑا ظلم قرار پاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے کہا:

''جو شخص کسی انسان کو ہلاک کرے بغیر کسی قصور و جرم کے، اس نے تمام انسانی سماج کو ہلاک کرنے کے برابر قصور کیا، اور جس نے کسی انسان کو زندہ رہنے کا حق دیا اور اس کے واجبی حقوق ادا کر کے اسے زندگی بخشی، اس نے پورے انسانی سماج کو زندگی بخشی۔'' (المائدہ: ۴۷)

قرآن کریم نے انسانی جان کی حفاظت کے سلسلے میں آیت مذکورہ میں جو تصور پیش کیا وہ پچھلی شریعت (توراۃ) کے اندر بھی موجود تھا اور یہودیوں کو بھی یہی نصیحت کی گئی تھی۔

قرآن کریم قانونِ عدل ہے، قرآن کی اصطلاح میں عدل کے معنی یہ ہیں کہ انسانی حقوق ہوں یا قرابتی حقوق، ان کا نفاذ صحیح ڈھنگ سے کیا جائے اور ان میں کوتاہی کرنے والوں کو مجرم قرار دیا جائے۔ مولانا شاہ ولی اللہ نے خلافت حقہ کی بحث میں عدل کی یہ تعریف کی ہے اور خلیفہ اسلام کو قیامِ عدل کا ذمہ دار قرار دیا، قرآن بتاتا ہے کہ ہادیٔ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خاص ذمے داری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مشن تھا کہ حقوق کے قیام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل قائم کروں‘‘ (الشوریٰ: ۱۵) یعنی مامور ہوں قیامِ عدل پر۔

حضور ﷺ پوری شریعت، توحید، نماز وزکوٰۃ قائم کرنے پر مامور تھے مگر جس پیرایہ میں آپ کی زبانِ مبارک سے قیامِ عدل کی ذمے داری کو واضح کیا گیا وہ پیرایہ بالکل منفرد ہے اور یہ اس مشن (قیامِ عدل) کی اہمیت کا اظہار ہے، قرآنِ کریم نے رسول پاک ﷺ کے اس مشن کی پوری نگرانی رکھی، اور آپ ﷺ سے اس مشن میں ذرّہ برابر لغزش نہیں ہونے دی، اس سلسلے میں حضور ﷺ کی زندگی کا حسبِ ذیل واقعہ بڑا اہم ہے۔ سورۃ النساء: ۱۰۵ کی آیات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے:

مدینے میں چوری کا ایک واقعہ پیش آیا اور شبیر ابن ربیرق نے حضرت قتادہؓ کے گھر میں سے ان کے ہتھیاروں کا تھیلا چرالیا، شبیر نے یہ چالاکی کی کہ تھیلا ایک یہودی کے پاس امانت کے طور پر رکھ دیا، تھیلے میں ایک سوراخ تھا، جس میں سے تھیلے کا آٹا گرتا ہوا چلا گیا، صبح کو قتادہؓ کے گھر والوں نے سراغ لگالیا اور یہودی کے پاس سے اپنا سامان حاصل کرلیا، یہ معاملہ حضور ﷺ کے سامنے آیا۔ یہودی نے بیان دیا کہ یہ سامان شبیر نے میرے پاس رکھوایا تھا، میں نے قتادہؓ کے گھر سے چوری نہیں کی۔

شبیر کے قبیلے نے اپنے آدمی کی حمایت کی اور اسے نیک چلن بتایا، مقدمہ کی ظاہری روداد کے لحاظ سے یہودی مجرم معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ مالِ مسروقہ اس کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔

رسولِ پاک ﷺ کی حیثیت ایک جج کی تھی، جو مقدمہ کی ظاہری روداد کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے، چناں چہ آپ ﷺ کی رائے بھی سرسری طور پر یہودی کے مجرم ہونے کی قائم ہوئی۔ ہوسکتا تھا کہ آپ ﷺ کا قانونی فیصلہ بھی اسی سرسری تأثر کے مطابق جاری ہوجاتا، مگر آپ ﷺ ایک پیغمبر بھی تھے، قرآن نے اس معاملے میں مداخلت کی اور علام الغیب خدا نے حقیقت کھول دی کہ یہودی بےقصور ہے اور شبیر مجرم ہے، پھر آپ ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ دیا اور یہودی کو بےقصور اور شبیر کو قصوروار قرار دے دیا۔ قرآن اگر مداخلت نہ کرتا تو رسولِ پاک ﷺ سے ایک غلط فیصلہ صادر ہوجاتا اور اسلام کے قانونِ عدل پر دھبہ لگ جاتا اور یہ بات ممکن نہ تھی۔

قرآن کا یہ ایک فقرہ قابلِ غور ہے:

’’اے پیغمبر! کسی مجرم کی طرف داری نہ کرنا اور اس معاملے میں اپنے ذاتی تأثر پر خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا، بےشک وہ غفور الرحیم ہے۔ (النساء)

غور کرو! قرآن اور وحی الٰہی نے عدل وانصاف کے معاملے میں اپنے پیغمبر کی کس طرح حفاظت کی، اسی مشن کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے تھے:

''مجھے سورۂ ہود کی آیات کے خوف نے بوڑھا کر دیا۔''(تفسیر ابن کثیر ۳/ ۷۹)

جس آیت کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا وہ یہ ہے:

''اے رسول! جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر استقامت کے ساتھ قائم رہو۔''(ہود: ۱۱۲)

وطن دوستی، پہلی منزل

انسان دوستی کی پہلی منزل وطن دوستی اور اہل وطن کے ساتھ ہمدردی کرنا ہے، اور یہ بات عملی زندگی کے لحاظ سے واضح ہے، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اہل زمین پر رحم کرو۔''

مسلمان جب اس ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے سامنے جو اہل زمین آتے ہیں وہ اس کے اہل وطن ہیں، اہل وطن، اہل محلہ، اہل شہر کے ساتھ ہمدردی کرنا اس کی پہلی منزل ہوتی ہے، پھر وہ آگے بڑھتا ہے اور اس کا آخری دائرہ تمام اہل زمین اور تمام انسان ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کا قول ہے: حب الوطن من الإیمان.

''وطن کے ساتھ محبت کرنا ایمان کا جزو ہے۔''

امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قرآن کریم نے وطن کی محبت کا اظہار رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کرایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے وقت دعا فرمائی:

''اے پروردگار! مجھے عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل کر اور عزت کے ساتھ مکہ معظّمہ سے نکال اور مجھے ایک مددگار قوت عطا فرما۔''(بنی اسرائیل)

دعا کا اسلوب یہ ہے کہ مکہ سے نکلنے کا ذکر بعد میں ہے، حالاں کہ واقعہ کے اعتبار سے اس کا ذکر دخول سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔

اس اسلوبِ دعا میں وطن سے نکلنے کا صدمہ اور وطن سے جدائی کا رنج وغم پوشیدہ ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے (مقالاتِ ماجدی ص ۱۵۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطاب سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے وطن عزیز کے ساتھ محبت پر استدلال کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا:

''ما اطیب بلدا''

''اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ و پسندیدہ شہر ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے جدا نہیں ہوتا۔''

دریابادی مرحوم نے اپنے دلکش اندازِ تحریر میں لکھا ہے کہ خدا کے مقبول بندوں کے دل میں اہل زمین، اہل وطن اور مخلوقِ خدا کی محبت اسی لیے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور اپنا کنبہ اور اپنی عیال قرار

دیا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے:

''مخلوقِ خدا، خدا کا کنبہ ہے، اس لیے خدا کو وہی لوگ پسند ہیں جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ، ص ۴۱)

مسٹر مدھوک سے گفتگو

ایمرجنسی کے زمانے میں میں نے جنتا پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی، وجے کمار ملہوترا دہلی کے صدر تھے اور میں نائب صدر تھا۔ ایک میٹنگ میں ملہوترا صاحب کے مکان پر مسٹر مدھوک صدر جن سنگھ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اسلام کے تعارف کے بارے میں اپنی کتاب ''مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت'' انہیں مطالعہ کے لیے دی۔ ان کا ایک تازہ مضمون ''آرگنائزر'' میں چھپا تھا جس میں مدھوک صاحب نے اسلام کو ایک جنگ جو اور جہادی مذہب لکھا تھا۔ مدھوک صاحب نے میری کتاب لے لی اور وعدہ کیا کہ وہ اس کا مطالعہ کریں گے۔

دوسری میٹنگ میں میں نے مدھوک صاحب سے عرض کیا کہ کیا آپ نے مولانا آزاد کی تفسیر پر میری کتاب پڑھی؟ ملہوترا صاحب بھی اس گفتگو میں ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

مدھوک صاحب نے کہا: مولانا! ہم نے اور ہمارے سیکڑوں تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اسلام کی وہ تصویر دیکھی ہے جو پاکستانی تحریک کے دور میں سیکڑوں کتابوں اور کتابچوں کے اندر شائع کی گئی، وہ نفرت انگیز کتابیں ہمارے کالجوں کی ہر لائبریری میں موجود ہیں، اسلام کا وہ تعارف جو مولانا آزاد نے کرایا ہے وہ ان کے چند مٹھی بھر ماننے والوں تک رہا، اس میں ہم ہندوؤں کا کیا قصور ہے؟

مسلمانوں کو ہماری مخالفت کرنے کے بجائے اسلام اور قرآن کی وہ تصویر جس میں اسلام ایک امن پسند، مذہبی رواداری کا حامل، وطن دوستی اور انسانیت نوازی کا علم بردار ظاہر ہو، اس کی اشاعت ہر زبان میں کرنی چاہیے تاکہ تحریکِ پاکستان کا زہر دور ہو۔ یہ بہت سنجیدہ گفتگو تھی، کیوں کہ میں جنتا پارٹی کا ایک ممبر تھا، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے آزاد ملک میں دو بڑی قوموں کے درمیان ہمیشہ باہمی نفرت قائم رہے۔

وجے کمار ملہوترا نے یہ فقرے درمیان میں کہے: کانگریس اور بی جے پی کی سیاسی کشمکش کو علیحدہ رکھئے اور مولانا آزاد کی یہ نصیحت سامنے رکھئے۔ مولانا نے فسادات کے دور میں جمعیۃ علماء کے ایک وفد سے فرمایا:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر مسلمان پانچ ہندوؤں سے دوستانہ تعلقات قائم کرے، یعنی سماجی سطح پر باہمی میل محبت کی فضا قائم کی جائے۔''

آج ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کی دنیا میں اسلام کے خلاف جو زہریلا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اس

نے پوری اہمیت کے ساتھ یہ ضرورت پیدا کر دی ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کی جائے اور شکایت و احتجاج پر وقت صرف کرنے کے بجائے دعوت وتبلیغ کے اصول پر تعمیری کام کیا جائے۔

قرآن کا وعدہ ہے:

''اے رسول! برائی کے جواب میں اس سے زیادہ اچھائی کا مظاہرہ کیجیے، اس تدبیر سے دشمن دوست ہو جائیں گے، البتہ یہ راہ بڑے صبر کی ہے اور یہ صبر بھی خدا کی توفیق ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لیے خدا کی طرف برابر رجوع رکھئے۔'' (فصلت)

تبلیغ ودعوت کی راہ میں نا اُمیدی اور مایوسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ خدا کے وعدے پر بھروسہ کیا جائے اور مسلسل جدوجہد جاری رکھی جائے۔ اسلام مذہبِ دعوت ہے اور مسلمان امتِ دعوت ہیں اور خدا کا جو وعدہ اپنے رسولِ دعوت کے ساتھ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ساتھ بھی ہے۔

رسولِ رحمت مظلوموں کے وکیل

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن مظلوم انسانوں کی حمایت میں عدالتِ خداوندی کے سامنے کھڑا رہوں گا اور مظلوموں کی حمایت کروں گا۔'' (مشکوٰۃ، باب العہد)

یہ مظلوم مسلمان بھی ہوں گے اور وہ غیر مسلم بھی ہوں گے جن کی حیثیت معاہد (عہد والے) کی ہوگی۔ حدیث میں معاہد کا لفظ ہے یعنی ہم عہد غیر مسلم۔ ایک حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں:

''جو شخص کسی ہم عہد غیر مسلم کو قتل کرے گا اسے جنت کی خوشبو نصیب نہیں ہوگی۔'' (مشکوٰۃ)

اسلام میں عہد ومعاہدہ کی بڑی اہمیت ہے، یہ معاہدۂ امن وصلح تحریری بھی ہوتا ہے اور عہد عملی (سماجی تعاون) کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے اس فقہی بحث میں وضاحت کی ہے کہ عہد عملی کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اگر ایک مقام کے غیر مسلموں نے اپنی بستی کے مسلمانوں پر زیادتی کی ہو تو دوسرے مقام کے مسلمان اپنی بستی کے غیر مسلموں سے اس کا انتقام لیں، کیوں کہ یہ اعتماد شکنی ہے جو اسلام میں جائز نہیں۔

مولانا تھانویؒ نے سورۂ رعد آیت: ۱۵ کے تحت لکھا ہے کہ ہر مظلوم کی دعا خدا تعالیٰ قبول کرتا ہے خواہ وہ مظلوم مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، الفاظ حدیث یہ ہیں:

دعوة المظلوم مستجابة ولو كان كافرًا۔

آج کی دنیا دار العہد کی حیثیت رکھتی ہے، بین الاقوامی معاہدوں (حقوقِ انسانی) میں دنیا کی تمام

قومیں شامل ہیں، اور دنیا کے جس حصے میں مسلمان اور غیر مسلم سماجی زندگی میں باہمی میل جول اور باہمی تعاون واعتماد کے ساتھ رہتے ہیں وہ آپس میں معاہد (ہم عہد) ہیں اور حقوقِ انسانی کے پابند ہیں۔

غور کرو! جو تشدد پرست بے قصور مردوں اور عورتوں کو ہلاک کرتے ہیں، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن ان کے حق میں وکالت کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ اسلام میں امن وصلح کے ساتھ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں کے ساتھ رہنے کی کتنی اہمیت ہے۔

کسی ملک کی شہریت، عہد معاہدہ ہے، فقہ اسلامی کی رو سے کسی ملک کی شہریت کو قبول کرنا معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کے ہر باشندے پر اس کے قوانین کی پابندی ضروری ہوتی ہے، سوائے اس قانون کے جو اصولِ دین سے ٹکراتا ہو، بنیادی اصولوں سے متصادم ہو۔

اسی طرح جو آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اس معاہدے کی پابندی اس ملک کے باشندوں کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی یہ مسلمہ ہدایات ہیں، چناں چہ بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی اقوامِ متحدہ میں شریک تمام باشندگانِ ملک پر لازمی قرار دی جاتی ہے اور ہر شریک ملک کے باشندے بھی اس کے پابند قرار پاتے ہیں۔ عہد عملی اور سماجی میل جول کی فقہی حیثیت پر علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور مولانا اشرف علی تھانویؒ مشہور شیخ وقت نے مدلل بحث کی ہے۔ (مجالس حکیم الامت، مطبوعہ کراچی، ص۸۱)

مدینہ منورہ میں ایک یہودی شہری کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسلمان قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرا دیا، کچھ لوگوں نے ایک یہودی کے بدلے مسلمان کے قتل پر تعجب کا اظہار کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تم مسلمانوں میں بہتر شخص وہ ہے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو پورا کرے اور میں ایک امیر وامام کی حیثیت سے معاہدہ کو پورا کرنے کا زیادہ ذمہ دار ہوں۔'' (کنز الدقائق، کتاب القصاص)

قدیم حدیث کی کتابوں میں اس معاہدے سے تحریری معاہدہ مراد لیا گیا ہے، لیکن موجودہ عہد کے فقہاء نے معاہدے کو تحریری، تقریری اور عملی معاہدے کی تینوں صورتوں کو اس میں شامل کیا ہے۔

☆☆☆

اسلامی تعزیرات کی معاشرتی اہمیت

حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہٗ

معاشرہ کا سماجی ڈھانچہ پانچ چیزوں پر اُستوار ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں خلل آجائے تو اس سے معاشرہ کی بنیادیں متزلزل ہوجاتی ہیں، اس کا امن وسکون غارت ہوجاتا ہے اور معاشرے کا ہر فرد کرب اور بے چینی کا شکار ہوجاتا ہے۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: عقیدے کا تحفظ، نسب کا تحفظ، عزت وآبرو کا تحفظ، جان کا تحفظ اور املاک کا تحفظ۔

چناں چہ ہر عقل مند انسان اپنے دین، اپنے نسب، اپنی جان، اپنی عقل اور اپنے املاک کو عزیز رکھتا ہے اور اُن کے تحفظ کا خواہاں ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کا دین اور عقیدہ محفوظ رہے، اس کی عزت وآبرو اور جان ومال پر کوئی آنچ نہ آئے، اس کا نسب ہر غلط آمیزش سے پاکیزہ ہو، اس کی عقل ہر قسم کے فتور سے محفوظ رہے اور وہ ہر اعتبار سے امن وسکون اور راحت کی زندگی بسر کرے اور اللہ کی ذات کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہو، وہ چاہتا ہے کہ جس معاشرے میں وہ زندگی بسر کررہا ہے وہ امن وسلامتی کا گہوارہ ہو۔ اس میں خیر اور عدل وانصاف کے چرچے ہوں۔ اس میں دینی اور اخلاقی اقدار کی قدر وقیمت کو ٹھیک طور سے محسوس کیا جاتا ہو اور اس سے شر وفساد کے آثار کا خاتمہ ہوجائے، وہ اپنے معاشرے کو ایک پُرامن، باوقار اور ترقی یافتہ مثالی معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے۔ جو قوتِ حاکمہ معاشرے کو کنٹرول کررہی ہو، یہ فرض اُس پر عائد ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کے ہر فرد کو ان پانچ بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دے اور ان سماج دُشمن عناصر کی گوشمالی کرے جو معاشرے کی بنیادوں کو منہدم کرکے پورے معاشرے کو تہ وبالا کردینا چاہتے ہیں۔ اسلامی حدود وقصاص اور شرعی تعزیرات کی مشروعیت کا ایک اہم مقصد یہی ہے۔

اسلام نے انسان کو ساری مخلوق سے بلند مقام بخشا ہے اور اسے دوسری مخلوق پر عزت وفوقیت عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَ نْ نَا بَنِیٓ اٰدَمَ''(۱)

ترجمہ:''اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو۔''(۲)

اور اس کے عقیدہ، نسب، عقل، جان اور مال کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ دین اور عقیدہ کی حفاظت کے لیے جہاد کو شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَ اتِلُوْا فِیْ بِ اللّٰہِ لَّذِیْنَ نَکُمْ وَلَا دُوْا اِنَّ لّٰہَ لَا حِبُّ یْنَ''(۳)

ترجمہ:''اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بے شک اللہ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو۔''

نسب اور عزت کی حفاظت کے لیے نکاح کو مشروع کیا اور زنا اور تہمت لگانے کو حرام قرار دیا اور ان جرائم کے ارتکاب کرنے والے کے لیے حدود جاری فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

زَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ لِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مَا ۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا ذْکُمْ مَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ نْ مْ تُؤْمِنُوْنَ لّٰہِ وَ مِ خِرِ وَ شْھَدْ ابَھُمَا آئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤمِنِیْنَ (۴)

ترجمہ:''بدکاری کرنے والی عورت اور مرد۔ مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو دُرّے اور نہ آوے تم کو اُن پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ اور دیکھیں ان کی سزا کچھ لوگ مسلمان۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ لَّذِیْنَ رْمُوْنَ صَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا رْبَعَۃِ آءَ دُوْھُمْ مٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا مْ ۃً اَبَدًا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ نَ (۵)

ترجمہ:''اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاک دامنوں کو پھر نہ لائے، چار شہادتوں کو، تو مارو ان کو اَسّی (۸۰) دُرّے اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی اور وہی لوگ ہیں نافرمان۔''

اسلام عقل کی بھی حفاظت کرتا ہے؛ اس لیے اس نے شراب اور دیگر منشیات کو حرام قرار دیا اور اس کے پینے پر حد مقرر کی ہے، وہ ہر فرد کی جان کی بھی حفاظت کرتا ہے؛ اس لیے قتل کو جرم قرار دیا اور اس کے لیے قصاص کو مشروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ھَا لَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بَ مُ نُ فِی لٰی (۶)

ترجمہ:''اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر قصاص مقتولوں میں۔''

اورفرمایا:

وَ لَكُمْ فِي ... ةٌ ... ب ... مْ ... نَ ﴿١٧٩﴾ (۷)

ترجمہ: اورتمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو!

وہ مال کی بھی حفاظت کرتا ہے؛ اس لیے اس نے حلال کمانے پرزوردیا ہے اور اس نے تجارت اور دیگر حلال وسائل کو مشروع کیا ہے اور ناحق دوسرے کا مال کھانے کو حرام ٹھہرایا اور چوری کی سزا مقرر کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ ...سَّارِقُ وَ ...سَّارِقَةُ ...قْطَعُوْٓا ...اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا ...لًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ ...للّٰهُ ...عَزِيْزٌ ...حَكِيْمٌ (۸)

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ، سزا میں ان کی کمائی کی، تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔

اسلام کے اقدامات سے ثابت ہوا کہ وہ ان کلیاتِ خمسہ (دِین، نسب، عقل، جان، مال) کے تحفظ کو کتنی اہمیت دیتا ہے اور ان کی حفاظت کے لیے اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کی کیسی صحیح اور حقیقی تربیت کرتا ہے۔ وہ اُن کے ضمیر کو زندہ کرتا ہے، ان کی معنوی روح کو بلند کرتا ہے۔ ان میں روحانی واخلاقی اقدار کی عظمت پیدا کرتا ہے۔ ان میں اُلفت ومحبت، اِیثار وقربانی اور باہمی اکرام واحترام کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ تربیت اسلامی تعلیمات اور صالحین کی مجالست سے حاصل ہوتی ہے اور اس تربیت کے بعد اسلامی معاشرے کا ہر فرد اپنے معاشرے کا ایک مفید رکن بن جاتا ہے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جس چیز کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے وہ دوسرے کے لیے بھی ناپسند کرتا ہے۔ اور جیسے اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کو ضروری سمجھتا ہے اسی طرح دوسرے کی جان، عزت اور مال کی بھی حفاظت کرتا ہے اور اس پر دست درازی کو ایسا ہی بُرا سمجھتا ہے جیسے اپنے اوپر دست درازی کو بُرا سمجھتا ہے۔ اس کے نفس میں ایک ایسی قوت پیدا ہوجاتی ہے جو اسے خیر پر آمادہ کرتی ہے اور شر اور دوسرے پر دست درازی سے روکتی ہے۔ حقیقت میں یہ وہ مثالی معاشرہ ہے جس میں امن وامان ہو اور عدل وانصاف کا دور دورہ ہو۔ ہماری اسلامی تاریخ کا ابتدائی دور ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہم پر ایسا دور بھی گزرا ہے جب قاضی صاحب مہینوں عدالت لگائے بیٹھے رہتے تھے اور ایک مقدمہ بھی ان کے یہاں پیش نہیں ہوتا تھا، عورت تنہا سفر کرتی تھی اور اسے اللہ کی ذات کے سوا کسی کا خوف نہ ہوتا تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ یہ راحت وسکون، یہ امن اور چین، یہ عدل وانصاف کس چیز کا

نتیجہ تھا؟ اسلامی تعزیرات کا، اسلامی تعلیم وتربیت کا اور اسلامی اقدار کا۔ ہر معاشرے میں کچھ مریض نفوس بھی ہوتے ہیں جن پر تربیت ونصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ وہ صرف سختی کی زبان جانتے ہیں اور انھیں جرائم سے صرف حدود اور عقوبات ہی روک سکتی ہیں۔ معاشرے میں ایسے افراد کی مثال جسم کے ان مریض اعضاء کی سی ہے جن کے علاج کے لیے ٹیکے لگانے اور آپریشن کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ اس کے ٹھیک ہونے کی اُمید ہو اور بیماری اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہو، لیکن اگر کوئی عضو گل سڑ جائے تو اسے کاٹ کر جسم سے الگ کیے بغیر چارہ نہیں رہتا؛ تاکہ اس کا زہر دوسرے اعضاء تک سرایت کرکے پورے جسم کی ہلاکت کا سبب نہ بنے۔ اسلامی حدود اور تعزیرات کا مقصد بس انہی معاشرتی مریضوں کا علاج ہے؛ تاکہ وہ صحت یاب ہوکر معاشرے کے صحت مند افراد بن سکیں اور ایک صاف ستھرا اسلامی معاشرہ قائم رہے۔

کسی فرد کے عقیدہ، اس کی عزت، اس کی جان، اس کی عقل اور اس کے مال پر کسی قسم کی دست درازی اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے جس سے معاشرتی نظام درہم برہم ہوجاتا ہے؛ اس لیے اس پر سخت اقدامات تجویز کیے گئے؛ تاکہ مجرم کو ارتکاب جرم سے باز رکھا جائے اور معاشرے سے فساد کا مادّہ ختم کردیا جائے۔ اسلامی معاشرہ میں جب کسی شخص کو اس کا نفس اور شیطان کسی جرم کے ارتکاب پر آمادہ کرے گا تو وہ ارتکابِ جرم سے پہلے بار بار پاداشِ عمل کو سوچنے پر مجبور ہوگا اور ہوش میں آکر اس غلط ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے باز رہے گا۔

اعداء اسلام جنہیں اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے ہی نہیں؛ بلکہ معاشرتی امن کی حقیقی بنیادوں کو سمجھنے سے بھی محروم رکھا ہے۔ وہ ان شرعی حدود پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور انھیں نَعُوذُ بِاللّٰہ ’’وحشیانہ سزاؤں‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں؛ حالاں کہ بعض دفعہ وہ خود اپنے ملکوں میں معمولی جرائم پر اس سے بھی سخت سزائیں جاری کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب باتیں اسلام سے کینہ وعداوت اور بغض وعناد کی بنا پر کہی جاتی ہیں۔ ان دانش مندوں سے کوئی پوچھے کہ کیا ان سنگین جرائم کا اِرتکاب ’’وحشی پن‘‘ نہیں؟ اور جس معاشرے میں چند انسان نما بھیڑیئے گھناؤنے جرائم کا اِرتکاب کرکے ’’وحشی‘‘ بن جائیں اور اربابِ اقتدار معاشرے کو ان ’’وحشیوں‘‘ سے نجات دلانے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہ کریں۔ کیا چند دنوں میں وہ پورا معاشرہ ’’وحشی‘‘ نہیں بن جائے گا؟ کوئی عقل مند انسان ان گھناؤنے جرائم کی سنگینی اور وحشی پن سے انکار نہیں کرسکتا جس کا ارتکاب یہ مجرم کرتا ہے اور جس کا دِفاع یہ اَعداءِ اِسلام کررہے ہیں۔

ذرا سوچیے کیا بلا وجہ کسی بے گناہ کی جان تلف کردینا ’’وحشی پن‘‘ نہیں؟ جسے ایک مجرم معمولی اسباب کی بنا پر قتل کرکے اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو یتیم بنا دیتا ہے اور انھیں اپنے

والد کے سایۂ عاطفت سے محروم کر دیتا ہے؟

کیا یہ وحشیانہ حرکت نہیں کہ ایک مجرم پل بھر میں ایک مزدور یا ملازم کی مہینوں اور سالوں کی خون پسینے کی کمائی اڑا لے جاتا ہے اور اسے اور اس کے اہل وعیال کو ضروریاتِ زندگی تک سے محروم کر دیتا ہے؟

ایک شہر یا ایک محلہ کے باشندے نہایت امن وامان کی زندگی بسر کر رہے ہیں، انہیں اپنی عزت، جان اور مال کا کوئی خطرہ نہیں، یکا یک ایک مجرم آ کر ان سب کی زندگی مکدّر کر دیتا ہے، اور ان کے امن اور سلامتی کو خوف اور پریشانی سے بدل دیتا ہے کیا یہ وحشی پن نہیں ہے؟ اور پھر جو شخص ایسے مجرم کی پشت پناہی کرتا ہے اور اس سے تعاون کرتا ہے یا اس پر رحم کھاتا ہے جسے بے گناہ مخلوق، کمزوروں، یتیموں اور بیواؤں پر ترس نہیں آتا کیا یہ شخص اس مجرم کی مانند ان وحشی جرائم کا اِرتکاب نہیں کر رہا؟

"فَاِنَّهَا لَا تعمی بْصَارُ وَلٰكِنْ تعمی لُوْبُ یْ فِی دُوْرِ"(۹)

ترجمہ: "بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہیں۔"

نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اعداءِ اسلام کے یہ اعتراضات کوئی نئی چیز نہیں جو ان کے اذہان کی اختراع ہو بلکہ قدیم زمانے سے اہلِ باطل اس قسم کی باتیں کہتے رہے ہیں اور ہمیشہ اہل حق نے واضح اور مسکت جواب دے کر ان کو خاموش کیا ہے؛ چناں چہ ان ہی اہلِ باطل میں سے ایک نے سرقہ کی سزا قطع ید کے بارے میں اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا:

"ید بخمس مئین عسجد ودیت ما بالا قطعت فی ربع دینار."

"وہ ہاتھ جس کی دیت پانچ سو دینار ادا کی گئی۔ کیا وجہ ہے کہ اسے ربع دینار کے بدلے کاٹ دیا گیا۔"

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کا ہاتھ غلطی سے کسی نے کاٹ دیا تو اس کی دیت پانچ سو دینار ادا کی جاتی ہے؛ لیکن عجیب بات ہے کہ یہی ہاتھ اگر چوتھائی دینار چوری کرے تو اس کے بدلے میں کاٹ دیا جاتا ہے۔ ایک عالم نے اس کا جواب یوں دیا:

"عزّ الامانة اغلاها وارخصا۔ ذلّ الخیانة فافم حکمة الباری."

"امانت کے اعزاز نے اسے قیمتی بنا دیا تھا اور خیانت کی ذلت نے اسے بے قیمت بنا دیا۔ اللہ کی حکمت کو سمجھ لو۔"

جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ ہاتھ امانت دار تھا کسی کے مال میں تعدی نہیں کرتا تھا تو یہ قیمتی تھا اور جب اس نے دوسرے کے مال پر تعدی کر کے خیانت کی تو بے قیمت اور ذلیل ہو گیا۔

ان اعداءِ اسلام کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ شرعی حدود پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں انسانوں کے

بنائے ہوئے قوانین پر قیاس کرتے ہیں۔ ایسے انسان جو نورِ ایمان سے محروم ہیں، جو صرف مادی عقل سے سوچتے ہیں اور جنہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کل کے حالات کیسے ہوں گے، وہ اپنے موجودہ ماحول کے حالات کو دیکھ کر ان ہی کی روشنی میں قوانین وضع کرتے ہیں، اس لیے کل جب حالات بدل جاتے ہیں تو مجبوراً انہیں وہ قوانین بدلنے پڑتے ہیں۔ اعداءِ اسلام اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ شرعی حدود انسان کی وضع کردہ حدود نہیں؛ بلکہ وہ آسمانی حدود ہیں، جن کو ایک ایسی ذات نے اُتارا ہے جو خالق بشر ہے اور جو انسان کی خصلت و جبلت اور اس کی طبیعت و مزاج سے واقف ہے جو قیامت تک کے آنے والے حالات سے واقف ہے، جو یہ جانتا ہے کہ فلاں جرم کتنا سنگین ہے، اس کی ٹھیک ٹھیک سزا جو عدل کی ترازو میں تول کر دی جائے کتنی ہونی چاہیے اور جسے یہ خبر ہے کہ فلاں جُرم کا اِرتکاب معاشرے پر کیا تباہی لاسکتا ہے اور اس کی روک تھام کیسے ہوسکتی ہے، اس نے جب یہ حدود اُتاری ہیں تو انہیں انسان کی اصلاح کے لیے اتارا ہے اور اس نے انسانی معاشرے کو امن اور چین مہیا کرنے کے لیے یہ تریاق نازل کیا ہے۔

حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے حدود و قصاص کے جو قوانین عطا کیے ہیں وہ انسانی ذہن کی اپج نہیں، جو آئے دن انسانی معاشرے پر قانونِ سزا نافذ کرنے کی مشق کرتے رہتے ہیں اور عطائی کی طرح جب ایک نسخہ فٹ نہیں آتا تو دوسرا بدل دیتے ہیں۔ نہیں! بلکہ یہ خدائی قوانین ہیں، جنہیں اس کے علم محیط اور حکمت کاملہ نے جرائم کی ٹھیک ٹھیک تشخیص کرنے کے بعد تجویز فرمایا ہے اور انہی کے نفاذ میں باعزت اور پُرامن زندگی کی ضمانت ہے لیکن جو عقول کہ حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا جو مادّیت اور شہوات میں گرفتار ہو کر فاسد ہوچکی ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتیں، لہٰذا انھیں اسلام کے بجائے اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیے اگر چمگادڑ سورج کو نہیں دیکھ سکتا تو سورج کا اس میں کیا قصور ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک شبہ کا اِزالہ کیا جائے جو اعداءِ اسلام عامۃ المسلمین میں پھیلا کر حدود کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ وہ تاثر یہ دیا جارہا ہے کہ اگر شرعی حدود جاری ہوں تو ہر طرف ہاتھ کٹے نظر آئیں گے۔ جگہ جگہ سنگساری ہورہی ہوگی۔ کوڑوں کے لیے ٹکٹکی بندھی ہوئی ہوگی۔ گویا یہ لوگ پہلے سے فرض کرلیتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کی اکثریت ایسی ہے، (حالاں کہ یہ بات مغربی معاشرہ کے بارے میں کہنا صحیح ہوگی۔) اور اَعداء اِسلام نے اپنے معاشروں کو دیکھ کر اِسلامی معاشرہ کو بھی اسی پر قیاس کرلیا ہو مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ اسلامی معاشرے کے بارے میں صرف بدگمانی نہیں بلکہ تہمت ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی نے پھل توڑ لیا یا لکڑی کاٹ دی یا کوئی اور معمولی چیز چُرالی تو فوراً ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس کے بارے میں اتنا سمجھ لیا جائے کہ اسلام نے جہاں جرائم پر

حدود جاری کرنے کا حکم دیا وہاں اس کے ساتھ ساتھ قیود اور شرائط بھی لگائے ہیں۔ جب تک وہ سب شروط نہ پائی جائیں گی، اُس وقت تک شرعی حد جاری نہیں ہوتی۔ اور اگر تمام شروط موجود ہوں ایک شرط کی کمی ہو تب بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر اس میں کسی قسم کا معقول شبہ پیدا ہو جائے تب بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر چوری کی سزا کو لے لیجیے، اس کے ثبوت کے لیے کچھ شرائط ایسی ہیں جن کا تعلق مسروقہ مال سے ہے اور مسروقہ مال کی بھی ایک قیمت مقرر ہے اس سے کم نہ ہو۔ ان تمام شرائط کے پائے جانے اور شرعی شہادت کے بعد حد جاری ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ صاحب حق اگر چاہے تو سارق کا معاملہ عدالت تک پہنچنے سے پہلے اسے معاف بھی کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل اسلامی قانون (فقہ) میں موجود ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی شرط کی کمی یا شبہ کی بناء پر حد ساقط ہو جائے تو مجرم بالکل چھوٹ جائے گا یا وہ اس کو بہانہ بنا کر دوبارہ اس جرم کا اِرتکاب کرنے لگے۔ ایسی صورت میں عدالت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مجرم کو مناسب سزا دے تاکہ جرائم کا انسداد ہو اور معاشرہ ہر قسم کے فساد سے پاک ہو جائے۔

❁❁❁

حواشی وحوالہ جات

(۱) اسراء: ۴۰

(۲) ترجمہ شیخ الہند

(۳) البقرۃ: ۱۹۰

(۴) النور: ۲

(۵) النور: ۴

(۶) البقرۃ: ۱۷۸

(۷) البقرۃ: ۱۷۹

(۸) المائدۃ: ۳۸

(۹) الحج: ۴۶

قدیم اور جدید تعلیم کی اصطلاحات

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہٗ

عام طور پر قدیم علوم سے مراد وہ علوم لیے جاتے ہیں جو دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جبکہ عصری وجدید علوم کا اطلاق ان علوم وفنون پر کیا جاتا ہے جن کی اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان دونوں کا الگ الگ نظم ملک میں ہر سطح پر موجود ہے۔

قدیم اور جدید کی اصطلاح اور دینی وعصری علوم کا عنوان چونکہ رائج الوقت اصطلاح ہے اس لیے بات کو سمجھنے یا سمجھانے کے لیے میں بھی یہی اصطلاح استعمال کیا کرتا ہوں۔لیکن ذاتی طور پر مجھے اس عنوان یا اصطلاح سے اتفاق نہیں ہے، اور آج کی محفل میں اسی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ قدیم علوم میں قرآن کریم، حدیث وسنت، اور فقہ وشریعت کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور انہیں دینی علوم کہا جاتا ہے۔ جبکہ جدید علوم یا عصری علوم انگریزی زبان، سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ، قانون، سوشیالوجی، ریاضی اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے وہ علوم وفنون سمجھے جاتے ہیں جن کی تعلیم کالج اور یونیورسٹی میں دی جاتی ہے۔ مجھے اس میں یہ اشکال ہے کہ قرآن کریم کو جدید کے مقابلے میں قدیم کہنا درست نہیں ہے۔قرآن کریم حادث کے مقابلہ میں بلاشبہ قدیم ہے اور وہ ہمارا اعتقادی مسئلہ ہے۔لیکن جدید کے مقابلے میں قرآن کریم یا حدیث وسنت کو قدیم قرار دینا یہ تاثر پیدا کرتا ہے کہ یہ پرانے علوم ہیں جن کا زمانہ گزر چکا ہے اور آج ان کی جگہ نئے علوم و فنون نے لے لی ہے۔ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، اس لیے کہ قرآن وسنت قیامت تک کے لیے ہیں اور ماضی کی طرح حال کا زمانہ، بلکہ آنے والا مستقبل بھی قرآن وسنت کے دائرہ کار میں شامل ہے۔اور قرآن کریم کی ٹرم قیامت تک باقی رہے گی۔

قدیم اور جدید علوم کی اس تقسیم سے جو نفسیاتی اور ذہنی ماحول بنتا ہے وہ یہ ہے کہ آج کی اصل ضرورت تو وہ علوم وفنون ہیں جو جدید اور عصری کہلاتے ہیں جبکہ قرآن وسنت کا تعلق ماضی سے ہے اور ماضی کے

ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھنے اور برکت وثواب کے حصول کے لیے ان کی تعلیم حاصل کرنے کا بھی فائدہ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اس تاثر اور نفسیاتی ماحول کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ یہ ذہن بنانے کی ضرورت ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیم ہماری بنیادی ضروریات میں شامل ہے۔ یہ فرد کی ضرورت بھی ہے، خاندانی نظام وماحول کی ضرورت بھی ہے، معاشرہ اور سوسائٹی کی ضرورت بھی ہے، اور قومی بلکہ بین الاقوامی ضروریات بھی قرآن وسنت کے علوم سے وابستہ ہیں۔(۱)

دوسری بات جو مجھے بہت کھٹکتی ہے بلکہ اس پر سخت غصہ آتا ہے کہ مدارس کے بارے میں جب بھی اصلاحات کی بات کی جاتی ہے، وہ اصلاحات صحیح ہوں یا غلط یہ الگ مسئلہ ہے، لیکن اسے عنوان یہ دیا جاتا ہے کہ ہم دینی مدارس کو قومی دھارے میں لانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ دینی مدارس نہ صرف قومی دھارے کا حصہ ہیں بلکہ وہ نظریاتی اور تہذیبی بنیادیں فراہم کرتے ہیں جو قوم کی اساس اور بنیاد ہیں۔

یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ قومی دھارے کا مطلب کیا ہے اور خود اس کا دائرہ کیا ہے؟ ہر وہ شعبہ جو قوم اور معاشرہ کی کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر رہا ہے وہ قومی دھارے کا حصہ ہے۔ تاجر، وکلاء، انجینئر، ملازمین، سائنس دان، ڈاکٹر صاحبان، سیاست دان، صحافی، اساتذہ، اور دیگر شعبوں کے افراد قوم کی ضروریات پوری کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ہر ایک صرف اپنے شعبہ میں کام کرتا ہے، دوسرے شعبوں میں اس کا کوئی کردار موجود نہیں ہے۔ انجینئر صرف اپنے شعبہ میں مصروف رہتا ہے اور ڈاکٹری اور وکالت کے کام میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ان میں کسی بھی شعبہ کے ماہرین صرف اپنے شعبہ تک محدود رہتے ہیں اور ان پر یہ الزام نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے شعبوں سے لاتعلق کیوں ہیں اور ان کا علم کیوں نہیں رکھتے؟

---

(۱) قدیم وجدید کی عرض کردہ معنی میں تقسیم ایسا کوئی اہم اور بنیادی معاملہ نہیں، جس سے ملت کو کسی سنگین نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ اس معنی کے لحاظ سے جن مدارس نے قدیم علوم ومضامین کی تعلیم وتدریس کو اپنا نصب العین قرار دیا، وہ بڑی حد تک اس حوالے سے کامیاب رہے ہیں، برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں قرآن وحدیث، فقہ وفتاویٰ اور ان کے تمہیدی علوم: نحو وصرف، بلاغت وبدیع کے حوالے سے جتنے مستند اور قدآور افراد گزشتہ ڈیڑھ صدی کے دوران پیدا ہوئے، وہ تقریباً سب کے سب اسی قدیم نصاب ومنہاج کے فیض یافتہ تھے، آج بھی یہ سلسلہ کسی نہ کسی درجے میں جاری اور مفید ہے۔ جن اداروں اور مدارس نے اس تقسیم پر ناک بھوں چڑھائے اور دونوں کے امتزاج کا نعرہ بلند کیا وہ کسی درجے میں تفسیر وحدیث اور فقہ وفتاویٰ کے واقف کار تو پیدا کر سکے، مگر اب تک نہ کوئی ماہر انجینئر، کامیاب ڈاکٹر، معتبر سائنس داں حتی کہ حکومتی مشینری کے کل پرزے مانے جانے والے: آئی ایس اور آئی پی ایس ایک بھی افسر نہ تیار کر سکے۔ معلوم ہوا کہ نزلہ اس تقسیم پر گرانا درست نہیں اور نہ اس پر اس قدر شور مچانے کی چنداں ضرورت۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس کی جگہ اگر علم نافع اور علم ضار کی تعبیر اختیار کی جائے تو شاید زیادہ بامعنی اور موزوں ہو۔ قدیم علوم تو تقریباً سارے ہی نافع اور مفید ہیں، جب کہ جدید علوم میں بعض نافع ہیں جب کہ بعض دوسرے مضر اور نقصان دہ۔ (ع، ر، بستوی)

سوال یہ ہے کہ یہ اصول علماء کرام اور دینی علوم کے لیے تسلیم کیوں نہیں کیا جا رہا۔ حالانکہ وہ قوم کی ایک بڑی ضرورت پوری کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ مسجد و مدرسہ قومی ضروریات میں سے ہیں اور ان کے لیے افرادی قوت کی فراہمی یہ مدارس ہی کر رہے ہیں۔ جس طرح قوم کی سیاسی راہ نمائی کے لیے ایک مستقل طبقہ اپنے دائرہ میں کام کر رہا ہے، اسی طرح دینی راہ نمائی کے لیے بھی ایک مستقل طبقہ مصروف عمل ہے۔ اگر ملک کی بنیاد اسلام پر ہے، دستور کی بنیاد اسلام پر ہے، اسلام قومی ضروریات کا اہم حصہ ہے اور دینی تعلیمات کی قوم کے ہر طبقہ کے لیے ہر سطح پر ضرورت موجود ہے تو یہ ضرورت پوری کرنے والے طبقہ کو قومی دھارے سے باہر تصور کرنے اور اسے قومی دھارے میں لانے کا عنوان اختیار کر کے اس کے امتیاز و تشخص سے محروم کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟

یورپ اور امریکہ میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ وہاں مذہب کا معاشرہ کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہنے دیا گیا اور مذہب صرف ذاتی اختیار کی بات بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن پاکستان میں یا کسی بھی اسلامی ملک میں مذہبی سرگرمیوں اور تعلیمات کو قومی دھارے سے خارج اور قومی ضروریات سے لاتعلق قرار دینا دراصل پاکستان کے نظریاتی تشخص اور دستور پاکستان کی اسلامی بنیادوں کی نفی ہے، اور اسلام کے معاشرتی کردار سے نعوذ باللہ دست برداری کے مترادف ہے۔

اس لیے میں علماء کرام اور ارباب دانش سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دینی علوم کو عصری علوم سے الگ تسلیم کر کے اور قدیم وجدید کی تفریق کو قبول کر کے اس سازش کو کامیاب نہ بنائیں جو مسلم معاشرہ کے اجتماعی شعبوں کو دین سے الگ کرنے کے لیے کی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ قرآن وسنت صرف ماضی کے علوم نہیں بلکہ حال اور مستقبل کے علوم بھی ہیں۔ جبکہ عالمی حالات اس رخ کی طرف جاتے ہوئے واضح طور پر دکھائی دے رہے ہیں کہ پوری نسل انسانی کے مستقبل کی فکری، تہذیبی اور معاشرتی راہ نمائی کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن وسنت ہی ہوں گے۔

۞۞۞

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فکری اور اجتہادی بصیرت کے چند جلوے

از: مفتی شکیل منصور الحسنی القاسمی
استاذ حدیت مرکز الدعوۃ الاسلامی، سورینام، جنوب امریکہ

اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ "قرآن" کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی "سیرت" ہے۔ دراصل "قرآن" اور "حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" معاً ایک ہی ہیں، قرآن متن ہے تو سیرت اس کی شرح۔ قرآن علم ہے تو سیرت اس کا عمل، قرآن مابین الدفتین ہے تو یہ ایک مجسم وممثل قرآن تھا جو مدینہ کی سرزمین پر چلتا پھرتا نظر آتا تھا، کان خلقہ القرآن. سیرت نبوی کا اعجاز ہے کہ اس کے اندر ہزاروں روشن پہلو ہیں۔ دنیا کو جس پہلو یا گوشے سے روشنی اور گرمی مطلوب ہو، اس کو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثال خزانہ میں وہ اسوہ اور نمونہ مل جاتا ہے جس سے اپنے ہمہ نوعیتی مسائل ومشکلات کا کامیاب ترین حل نکال لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام ہی پہلو سورج سے زیادہ ظاہر وعیاں ہو کر دنیا کے سامنے موجود ہیں، آپ جس پیغام الٰہی کو لے کر دنیا میں تشریف لائے، وہ ساری انسانیت کیلئے ایک ہمہ گیر، مستحکم ومضبوط اور "دائمی نظام حیات" ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شان، ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے کہ ہر دور میں اور ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر اپنے پیروؤں کی رہبری سے عاجز وقاصر نہ رہے۔

لوگوں کو جس قسم کے مسائل وحالات پیش آسکتے ہیں، ان کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

(ا) وہ مسائل جن میں حالات وزمانے کے اختلاف سے کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ ایسے مسائل کیلئے شروع ہی سے شریعت میں تفصیلی احکام وقواعد ثابت وموجود ہیں۔ جیسے نکاح، طلاق، محرمات اور میراث وغیرہ کے احکام۔

(۲) وہ مسائل جو حالات و زمانے کے بدلنے سے متغیر ہو سکتے ہوں ایسے مسائل کے بارے میں شریعت نے کوئی تفصیلی احکام نہیں چھوڑے ہیں؛ بلکہ اس سلسلے میں عام قواعد اور بنیادی اصول ومبادی وضع کر دیے ہے اور امت کے بالغ نظر اور بلند پایہ فقہاء کیلئے یہ گنجائش چھوڑ دی ہے کہ شریعت کے مقاصد، اسکے مزاج و مذاق، احکامِ شرع کے مدارج اور دین کے بنیادی اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کے احکام تلاش کریں؛ لیکن اس مقصد کیلئے یہ ضروری ہے کہ علمائے امت کے سامنے سیرت نبوی کا فکری اور اجتہادی پہلو ہو جس کی رہنمائی میں ہر زمانہ کے علماء وفقہاء غیر منصوص اور نئے پیش آمدہ مسائل میں شرعی غور وفکر کے ذریعہ کوئی شرعی حکم نکال سکیں۔

سیرت نبوی کا اعجاز دیکھئے کہ اس میں وہ قیاس واجتہاد کے ایک دو نہیں متعدد علمی نمونے موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود اپنے قول وسیرت سے یہ راہ کھلی رکھی ہے تاکہ کتاب وسنت کی اصولی ہدایات کی تطبیق پیش آنے والی جزئیات پہ قیامت تک جاری رہ سکے۔ ذیل کی سطروں میں ہم انتہائی اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کے اسی گوشہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

نبی ﷺ کا استنباط واجتہاد

علماء اصول کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ غیر منصوص مسائل میں آپ ﷺ کیلئے اجتہاد جائز تھا یا نہیں؟ جمہور علماء اصول کے یہاں جائز ہے۔ معتزلہ اور ابن حزم ظاہری کے یہاں جائز نہیں ہے۔(۱)

پھر جو لوگ اجتہاد نبی ﷺ کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے مابین دو باتوں میں اختلاف ہے: (الف) کس قسم کے مسائل میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا ہے؟ (ب) آپ ﷺ کب اجتہاد فرمایا کرتے تھے؟

علامہ قرافی، علامہ عبدالعزیز بخاری اور علامہ شوکانی نے اس پر جمہور علمائے امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگی امور اور دنیوی معاملات کے سلسلے میں اجتہاد فرمایا ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں:

کلہم قد اتفقوا علی ان العمل یجوز لہ بالرای فی الحروب وامور الدنیا.(۲)

علامہ قرافی بھی یہی فرماتے ہیں:

محمل الخلاف فی الفتاوی، امّا الاقضیۃ فیجوز الاجتہاد بالاجماع"(۳)

لیکن کیا آپ ﷺ نے شرعی امور میں بھی اجتہاد کیا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اصولیین کا قول مختلف ہے۔ دلائل کی روشنی میں جو قول نکھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شرعی امور میں بھی اخذ واستنباط سے کام لیا ہے۔(۴)

جس کی سب سے بڑی اور واضح دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کیفیتِ اذان کے سلسلے میں اپنے صحابہ

کے ساتھ اجماعی غور وتدبر کے بعد اپنے اجتہاد وقیاس سے حضرت عمرؓ کے مشورہ پر ایک فیصلہ فرمایا اور پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ غور کیا جاسکتا ہے کہ "اذان" کوئی دنیوی یا جنگی معاملہ نہیں؛ بلکہ خالص اللہ کا حق ہے اور شعائر دین ومذہب ہے؛ لیکن اس میں بھی آپ کا اجتہاد وقیاس ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مزید دلائل کی طرف بعد میں اشارہ کیا جائے گا۔

اجتہادِ نبوی کی کیفیت کے سلسلے میں جمہور محدثین اور ائمہ ثلاثہ کا رجحان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی واقعہ کے پیش آتے ہی اجتہاد کرلیا کرتے تھے اس سلسلے میں آپ وحی کا انتظار نہیں فرماتے تھے؛ لیکن اس بارے میں احناف کا راجح نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش آمدہ مسائل میں پہلے "وحی" کا انتظار کرتے اگر "مدتِ انتظار" میں وحی نازل ہوجاتی تو فبہا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد وقیاس کے ذریعہ ان کا حل بتادیتے۔
علامہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں:

واصح الاقاویل عندنا انہ علیہ الصلوۃ فیما کان یبتلی بہ من الحوادث التی لیس فیہا وحی منزل، کان ینتظر الوحی الی ان تمضی مدۃ الانتظار ثم کان یعمل بالرای والاجتہاد. (۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکر واجتہاد کے مامور تھے

(۱) بنونظیر جب مدینہ طیبہ سے شام جلاوطن کردیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اہل بصیرت کو ان کی بدعہدی اور شرارت پہ عبرت دلاتے ہوئے فرمایا: عْتَبِرُوْا لِی بْصَارِ "اعتبار، کہتے ہیں کسی چیز کی حقیقت ودلائل میں غور وفکر کرکے اسی جنس کی دوسری چیز کو جان لینا" آیت میں اربابِ بصیرت، صاحب نظر وفکر لوگوں کو غور وتدبر کا بالعموم حکم دیا گیا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون بالغ نظر ہوسکتا ہے؟ لہٰذا آیت پاک میں جس غور وفکر کا حکم دیا جارہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے عموم میں داخل ہیں اور اجتہاد وقیاس کے مکلف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہوئے۔ (۶)

(۲) وَ ذَا مْ اَمْرٌ مِّنَ لْاَمْنِ اَوِ ِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى سُوْلِ وَ لَىٓ اُولِي الْاَمْرِ مْ عَلِمَهُ لَّذِيْنَ طُوْنَهٗ مْ ؕ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت پاک میں استنباط وتحقیق کے اندر اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر اور حاکموں کو یکساں قرار دیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخذ واستنباط کے مکلف تھے۔

فعلم من ذلک ان الرسول علیہ الصلاۃ والسلام مکلف بالاستنباط (۷)

آیت پاک میں "اَمْرٌ مِّنَ لْاَمْنِ اَوِ ِ" سے اس نظریہ کو بھی تقویت ملتی ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرعی مسائل میں بھی اجتہاد کرتے تھے، اس لئے کہ لفظ "اَمر" مطلق آیا ہے، اور جس طرح سے جنگ وجدال میں امن وخوف کی حالت ہوتی ہے اسی طرح امور دینیہ میں بھی امن وخوف کی حالت کا تحقق ممکن ہے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگی امور میں اجتہاد فرمایا کرتے تھے اسی طرح شرعی امور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد وقیاس کے مامورومجاز تھے۔(۸)

(۳) لَوْلَا بٌ مِّنَ اللهِ سَبَقَ سَّكُمْ فِيْمَآ نَذْتُمْ عَذَابٌ مٌ ﴿۶۸﴾ (۹)

بدر کی لڑائی میں ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوکر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قیدیوں کے سلسلہ میں مشورہ طلب کیا۔ حضرات صحابہ نے اجتماعی غور وتدبر کے بعد ان قیدیوں کے سلسلے میں مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فدیہ لے کر ان تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طبعی رافت ورحمت کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا۔ اور تمام قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ لیکن آپ کے اس فیصلہ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے اجتہادی غلطی قرار دیا گیا اور پھر آیت مذکورہ میں جو سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

آیت پاک سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں: اوّل: یہ کہ کسی پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت میں کوئی حکم نہیں ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اجتہاد کرنا جائز تھا۔ دوم: یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جنگی امور میں اجتہاد کرنا جائز تھا۔ اسی طرح شرعی امور میں بھی آپ اجتہاد کے مکلف تھے۔ جنگ بدر کا معاملہ صرف ایک جنگی حد تک محدود نہ تھا بلکہ یہ جنگ ایمان وکفر، حق وباطل کی فیصلہ کن لڑائی ہونے کی وجہ سے مذہبی وشرعی معاملہ کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

امام رازی فرماتے ہیں:

فالاية صريحة فی بيان إن الرسول عليه الصلاة والسلام كان يحكم بمقتضى الاجتهاد فی الوقائع التی لم ينزل بها نص او وحی (۱۰)

(۴) فتح مکہ کے دن مکۃ المکرمہ کی حرمت وعظمت کو بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فهو حرام بحرمة لله تعالى الى يوم القيامة، لأيعضد شوكة ولا ينفر صيده ولا تلتقط لقطة الّا من عّرفها ولا يختل خلاها.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام گھاسوں کو ممنوع فرمار ہے ہیں، حالانکہ "اذخر" کی ضرورت ہم لوگوں کو گھر کی چھتوں میں پڑتی رہتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الاالاذخر"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پھر "اذخر" کا استثناء کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ گھاس وغیرہ کی حرمت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا تھا۔ وہذا مبنی علی ان الرسول کان لہ ان یجتہد فی الاحکام (۱۱)

(۵) قریش نے اپنے دور میں خانہ کعبہ کی جو تعمیر کی تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے خلاف تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: الا تردہا علی قواعد ابراہیم؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لولا حدثان قومک بالکفر لفعلت (۱۲)

آپ کا یہ ارشاد بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے قریش کی تعمیر کردہ بنیاد کو جو باقی رکھا وہ آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔ اس لئے کہ اگر آپ ﷺ عمارت منہدم کرنے کے مامور ہوتے تو خوفِ فتنہ اس سے قطعاً مانع نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ اجتہاد و قیاس کے مامور و مکلف تھے، آپ ﷺ نے دینی و دنیوی تمام ہی امور میں اجتہاد کیا ہے۔ ذیل میں قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ کن کن معاملات میں آپ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔

دنیوی امور میں آپ ﷺ کے اجتہادات

(۱) امّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے یہاں آپ ﷺ نے شہد نوش فرمایا، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو اس کا علم ہوا تو دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ ہم میں سے جس کے پاس حضور تشریف لائیں، ہر کوئی یہ کہے کہ حضور آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے! ایسا ہی ہوا، آپ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ میں سے جن کے پاس تشریف لے گئے آپ سے یہی سوال ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں نے زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے۔ اگر تم لوگوں کو اس شہد کی وجہ سے ناراضگی ہوئی تو دیا رکھو! آج سے میں شہد ہی نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (۱۳)

آپ ﷺ نے بعض ازواج کی دلجوئی کے واسطے اپنے اوپر شہد کو حرام کیا، یہ محض آپ کا قیاس تھا۔

(۲) آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار مدینہ نر کھجور کا پیوند مادہ کھجور کو لگاتے ہیں تو کھجور زیادہ ہوتی ہے، آپ ﷺ نے انصار کو اس طرز عمل سے منع کر دیا۔ اتفاق سے اس سال مدینہ میں کھجور کی پیداوار بالکل گھٹ گئی تو آپ ﷺ نے پھر اجازت دے دی۔ (۱۴) پہلے تابیر نخلہ کی ممانعت آپ ﷺ کا اجتہاد تھا۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکابر قریش کو اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مشغول تھے، اسی دوران حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ حاضر مجلس ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار ومشرکین کے قبول اسلام کی امید پر نابینا صحابی سے منھ پھیر لیا، جس پر آیت: عَبَسَ وَ تَوَلّٰی الخ نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعراض محض اجتہاد تھا۔ (۱۵)

جنگی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات

(۱) بدر کی لڑائی کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رائے سے ایک جگہ متعین کی تھی، بعد میں حضرت حباب بن المنذر کی رائے سے وہ جگہ بدل دی۔ پہلی جگہ کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد کیا تھا۔ (۱۶)

(۲) اساری بدر کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فیصلہ فرمایا تھا وہ آپ کا اجتہاد تھا۔

(۳) غزوۂ احد کے سلسلے میں مدینہ سے باہر نکلنے یا نہ نکلنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتہاد کیا تھا کہ مدینہ ہی میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے، بعد میں اس تعلق سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آئی۔ (۱۷)

(۴) "خندق" کے لیے غزوۂ احزاب میں حضرت سلمان فارسی کی رائے پر آپ نے عمل کیا۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ (۱۸)

(۵) غزوۂ خندق میں قبیلہ غطفان کے دو سردار عیینہ بن الحصن اور الحارث بن عوف المروی سے مدینہ کی ثلث کھجور پر مصالحت کی پیشکش کی تھی۔ یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔ (۱۹)

(۶) غزوہ تبوک میں بعض منافقوں کے اعذار کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت ورخصت دیدی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔ (۲۰)

معاملات وقضایا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس بیوی سے رجوع کا حکم دیا تھا جس کو انھوں نے حالت حیض میں طلاق دی تھی۔ (۲۱) یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔

(۲) حضرت ابوسفیان کی بیوی "ہند بنت عتبہ" نے جب حضرت ابوسفیانؓ کی بخالت کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خذی من مال بالمعروف ما یکفیک ویکفی بنیک. (۲۲) عورت کی ضرورت وکفایت کے بقدر شوہر پر نفقہ کا واجب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔

عبادات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات

(۱) کیفیتِ اذان کے سلسلے میں حضرات صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فیصلہ فرمایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔ اس سلسلہ میں کوئی وحی وغیرہ نازل نہیں ہوئی تھی۔ (۲۳)

(۲) ابتداء میں بیت المقدس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ تھا اور ۱۶ یا ۱۷ مہینہ ادھر ہی رخ کر کے آپ نے نماز ادا کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ مسجد حرام ہو جائے، چنانچہ آیت نازل ہوئی:

نَ ی بَ كَ فِي لسَّمَآءِ ۚ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد حرام کے قبلہ ہونے میں اجتہاد و قیاس کیا تھا۔ (۲۴)

(۳) منبر سازی کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی درخواست قبول فرمائی۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ (۲۵)

(۴) جماعت کی نماز چھوڑنے والے کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا کہ لکڑیاں جمع کر کے انہیں جلا دیا جائے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارادہ سے رجوع کر لیا۔ (۲۶)

اگر تارک الجماعۃ کو جلانے کا حکم منجانب اللہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے رجوع نہ فرماتے۔

(۵) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استغفار کیا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔ (۲۷)

(۶) حضرت ابوطالب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا لاستغفرن لک مالم اُمن (۲۸) فانزل اللہ تعالیٰ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ لَّذِينَ وٓا أَنْ نغْفِرُوا رِكِينَ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چچا کیلئے استغفار کا ارادہ محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد تھا۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ہی قسم کے معاملات میں اجتہاد و استنباط سے فیصلے کئے ہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد اور امت کے مجتہدین کے اجتہادات میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ آپ کے اجتہاد میں "ہدیٰ ہی ہدیٰ" ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد مشیت الٰہی کے مطابق نہیں ہوتا تو بروقت وحی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحیح واقعہ کی رہنمائی کر دی جاتی تھی؛ لیکن اتنا مسلّم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات و واقعات میں اپنے اجتہاد و استنباط سے کام لیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات کا حکم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن مسائل میں اخذ و استنباط سے کام لیا ہے، تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام اجتہاد میں درستگی ہی پر تھے یا آپ سے خطاء و چوک بھی واقع ہوئی ہے؟ جمہور محدثین کی یہی رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتہادات میں معصوم عن الخطاء تھے، جبکہ احناف کا اس سلسلے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات میں خطاء بھی واقع ہوئی ہے۔ البتہ وحی کے ذریعہ اس کو منسوخ کر کے صحیح واقعہ کی رہنمائی فی الفور کر دی جاتی تھی۔ دلائل کی روشنی میں احناف کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

جس اجتہادی غلطی پر خدا کی جانب سے تنبیہ کی گئی ہے، اس میں "عفا الله عنک" کا لفظ استعمال ہوا ہے، لفظ"عفو"اسی وقت استعمال ہوسکتا ہے جبکہ اس سے پہلے"خطا" کو موجود مانا جائے۔

(۲) "لم اذنت لهم" میں استفہام انکاری ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ منافقوں کو غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کی اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوک تھی۔

(۳) حضرت قتادہ اور عمرو بن میمون فرماتے ہیں:

"اثنان فعلهما الرسول لم یومر بشیء منهما اذنه للمنافقین، واخذه الفداء فی الاسری، فعاتبه الله کما تسمعون"(۲۹)

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہادات میں خطاء کا واقع ہوجانا ممکن ہے، لیکن وحی کے ذریعہ اس کو منسوخ کردیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتہادی خطا کو برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔(۳۰)

دورنبوی میں حضرات صحابہؓ کا اجتہاد

اجتہاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح یہ مسئلہ بھی انتہائی اہم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رہتے ہوئے حضرات صحابہ کا کسی پیش آمدہ مسئلے میں اجتہاد کرنا جائز تھا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء اور احناف کی رائے یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نئے اور غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت تھی، اسی طرح حضرات صحابہ کیلئے بھی یہ جائز تھا کہ وہ اپنے اجتہاد وقیاس کے ذریعہ نوازل وواقعات کا حل تلاش کریں۔ ذیل میں ہم اس کی بھی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت سعد بن معاذؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ سے یہود بنو قریظہ کے سلسلہ میں جو فیصلہ دیا تھا کہ "انی احکم فیهم ان یقتل الرجال وتقسم الاموال وتسبی الذراری والنساء" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فیصلہ آپ کا اجتہاد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کے اس اجتہادی فیصلہ کی پرزور الفاظ میں تحسین فرمائی: لقد حکمت فیهم بحکم الله من فوق سبع ارفعة (سماوات)

(۲) غزوۂ احزاب سے واپسی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا " لایصلین احدکم العصر، الا فی بنی قریظة "بعض صحابہ نے اس ارشاد کو حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے بنی قریظہ میں عصر کی نماز ادا کرلی اور وقت کی تاخیر کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ جبکہ دیگر صحابہ نے اجتہاد کیا اور اس ارشاد نبوی کو محض غایتِ سرعت پر محمول کیا اور یہ خیال کیا کہ بنو قریظہ ہی میں عصر پڑھنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود جلدی پہنچنا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے راستہ ہی میں وقت پر عصر کی نماز پڑھ لی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب واقعہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی فریق کو بھی برا بھلا نہیں کہا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اجتہاد کو بھی معتبر مانا اور عمل بالظاہر کو بھی صحیح قرار دیا۔

(۳) مقام بدر میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنانے کے سلسلہ میں، غزوۂ احزاب میں مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کے سلسلہ میں اور غزوۂ احد میں مدینہ کے اندر یا باہر رہ کر مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں حضرات صحابہ نے جو کچھ بھی مشورہ دیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد تھا، آپ ﷺ نے ان کے اجتہاد کو معتبر مانا۔ یہ تو حضرات صحابہ کے وہ اجتہادات تھے جو آپ ﷺ کی موجودگی میں انجام پائے تھے۔ ان حضرات کے بعض ایسے اجتہادات بھی ہیں جو انھوں نے آپ ﷺ کی غیبوبت میں انجام دیں لیکن جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو صحیح قرار دیا، مثلاً:

(۱) کسی سفر میں حضرت عمر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو غسل جنابت کی حاجت ہوئی، پانی دستیاب نہیں تھا جس سے غسل کر سکتے۔ تیمم کی نوبت آئی، دونوں حضرات نے تیممِ غسل کی کیفیت کے سلسلہ میں اجتہاد سے کام لیا۔ حضرت عمارؓ نے مٹی کے استعمال کو پانی پر قیاس کرتے ہوئے پورے جسم پر مٹی مل لی اور نماز ادا کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ مٹی جنابت دور کیسے کر سکتی ہے؟ انھوں نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ ان دونوں کے واقعہ کا آپ ﷺ کو علم ہوا، تو آپ ﷺ نے کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی جس سے ان حضرات کے اجتہاد کی تردید و ممانعت ثابت ہوتی ہو؛ بلکہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ تیمم غسل اور تیمم وضوء میں کوئی فرق نہیں ہے پورے جسم پر مٹی لیپنے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۲) حضرت عمرو بن العاص کو غزوۂ ذات السلاسل میں غسل کی حاجت ہوئی، سردی اتنی سخت تھی کہ پانی سے غسل کرنا ممکن نہیں تھا آپ نے تیمم کیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے ناپاکی کی حالت میں ساتھیوں کو نماز پڑھا دی، حضرت عمر بن العاص نے فرمایا: میں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے وَلَا تَقْتُلُوْا کُمْ اِنَّ لّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا، آپ ﷺ یہ جواب سن کر ہنس پڑے۔ (۳۱) اور ان کے اس اجتہاد و استنباط پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

(۳) حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا وہ مشہور واقعہ بھی ہے جس میں انھوں نے آخر میں کہا تھا "اجتد برای" آپ ﷺ نے ان کے اس اجتہاد و قیاس کو نہ صرف معتبر مانا بلکہ ان کو شاباشی دی کہ "الحمد للہ الذی وفق رسول رسول لله بما رضی ل رسول الله (۳۲)

اگر آپ ﷺ کے رہتے ہوئے حضرات صحابہ کا اجتہاد از روئے شرع ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی فوراً تردید فرماتے؛ لیکن آپ ﷺ نے مذکورہ تمام واقعات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادات کو معتبر مانا۔

یہ چند واقعات ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون و شریعت جامد و معطل نہیں ہے؛

بلکہ اس میں ایسی لچک موجود ہے کہ نو پیش آمدہ مسائل کو کتاب وسنت کے حدود میں رہتے ہوئے کتاب وسنت کے اصولی ہدایات پر منطبق کیا جاسکے۔ یعنی ''سیرتِ نبوی کا اجتہادی پہلو'' قیامت تک کیلئے یہ دروازہ کھلا رکھتا ہے کہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے جدید مسائل پر اسلامی قوانین واصول کو چسپاں کیا جائے اور لوگوں کے مصالح اور ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ان مسائل کا ایسا حل تلاش کیا جائے جو شریعت کے مزاج اور زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اخذ واستنباط کی یہ کوشش ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے اور دراصل یہ ہے کہ یہ اجتہاد نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات میں ائمہ مجتہدین کے آراء کی تطبیق ہے جسے فقہ کی زبان میں ''تحقیق مناط'' کہا جاتا ہے۔

امام ابواسحاق شاطبی نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی یہ وہ قسم ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ (۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے بدلتے ہوئے نظام پر اسلامی قانون کا انطباق ان مسائل ہی میں سے ہے جس کی ضرورت واہمیت سیرت نبوی ﷺ سے ثابت ہوتی ہے؛ بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ شریعت اسلامی کو زندہ وحاضر اور عصری ثابت کرنے کی سب سے بہتر اور واحد صورت یہی ہے کہ ہم اسلامی قانون کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کریں کہ وہ جدید مسائل وواقعات کا توازن اور مناسب حل پیش کرتا ہو۔

مصادر ومراجع:

(۱)الاحکام للآمدی ۴/ ۱۶۵، مسلم الثبوت ۲/ ۳۶۱، تیسیر التحریر ۴/ ۱۸۳۔
(۲) کشف الاسرار شرح اصول البزدوی ۳/ ۹۲۶، شرح الاسنوی علی المنہاج ۳/ ۱۹۴۔
(۳) شرح الاسنوی علی المنہاج ۳/ ۱۹۴۔ (۴) ارشاد الفحول ۲۵۵۔ (۵) اصول السرخسی ۲/ ۹۱۔
(۶) الاحکام للآمدی ۴/ ۱۶۵۔ (۷) التفسیر الکبیر للرازی ۱۰/ ۲۰۰-۲۰۱۔
(۸) اجتہاد الرسول ۵۳۔ (۹) الانفال ۶۸۔ (۱۰) التفسیر الکبیر ۱۶/ ۷۴۔ (۱۱) فتح الباری ۴/ ۴۹۔
(۱۲) فتح الباری ۳/ ۴۳۹۔ (۱۳) اجتہاد الرسول ۸۷۔ (۱۴) شرح النووی لصحیح مسلم ۱۰/ ۱۹۰۔
(۱۵) اجتہاد الرسول ۸۸ سورۃ عبس۔ (۱۶) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۷۲۔ (۱۷) سیرت ابن ہشام ۳/ ۶۴-۶۷۔
(۱۸) اجتہاد الرسول ۹۴۔ (۱۹) سیرت ابن ہشام ۴/ ۱۰۴۔ (۲۰) اجتہاد الرسول ۹۶۔
(۲۱) الاحکام لابن دقیق العید ۲/ ۲۰۱۔ (۲۲) صحیح مسلم کتاب الاقضیہ (۲۳) فتح الباری ۲/ ۷۷-۸۲۔
(۲۴) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۵۷۔ (۲۵) فتح الباری ۱/ ۴۸۶۔ (۲۶) مسلم، کتاب المساجد۔
(۲۷) تفسیر الرازی ۱۶/ ۱۴۶۔ (۲۸) فتح الباری ۸/ ۳۳۷-۳۳۹۔
(۲۹) تفسیر رازی ۱۶/ ۷۳، الاحکام ۴/ ۲۱۶۔ (۳۰) التحریر ۵۲۷۔ (۳۱) ابوداؤد ۱/ ۱۴۱۔
(۳۲) ابوداؤد ۲/ ۵۰۵۔ (۳۳) الموافقات ۳/ ۹۷۔$$

E.MAIL: muftishakeelahmad@gmail

فقہ وفتاویٰ

مفتی نثار خالد قاسمی دیناج پوری
استاذ حدیث وافتاء جامعہ ہذا

سوال: ایک قاری صاحب کے پاس چند طلبہ مشق کرتے ہیں، دورانِ مشق ایک آیت سجدہ والی آئی، جسے ہر ایک نے پڑھا اور دوسرے نے سنا تو اس صورت میں کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں چوں کہ ایک ہی آیتِ سجدہ کو تمام طلبہ نے پڑھا اور تمام نے سنا ہے، اس لیے ہر ایک پر ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، اس لیے کہ تلاوت اور سننے کی مجلس ایک ہے۔

الموسوعة الفقهيه، بحث اتحاد المجلس اردو، ص ۲۷۴، وفي البحر ''كمن كررها في مجلس لا في مجلسين، فإنه يكفيه واحدة في الاول دون الثاني والاصل فيه ما روي إن جبرئيل عليه السلام كان ينزل بالوحي فيقرأ آية السجدة على رسول لله صلى لله عليه وسلم ورسول لله صلى لله عليه وسلم كان يسمع و يتلقن ثم يقرإ على إصحابه و كان لا يسجد إلا مرة واحدة وهو مروي عن عدة الصحابة ولإن المجلس جامع للمتفرقات و لإن في إيجاب السجدة لكل تلاوة حرجاً خصوصًا للمعلمين والمتعلمين وهو منفي بالنص الخ. ۲/۲۳۰، زكريا.

سوال: زید نماز پڑھ رہا تھا اتنے میں اس نے ایک ایسے آدمی سے جو نماز میں نہیں ہے آیتِ سجدہ تلاوت کرتے ہوئے سنا، زید نے سنتے ہی سجدۂ تلاوت کرلیا تو اس صورت میں اس کی نماز اور سجدے کا حکم کیا ہے؟

جواب: صورتِ مذکورہ میں حکمِ شریعت زید کے لیے یہ ہے کہ اپنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت کرتا، مگر اس نے جب اپنی نماز کے دوران ہی سجدہ کرلیا تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ اس کو نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ سجدۂ تلاوت کرنا ضروری ہوگا۔

ولو سمعها المصلي من غيره سجد بعد الصلاة ولو سجد فيها إعادهالا الصلاة.

(بحر ۲/۲۱۴، زکریا)

سوال: مسجد میں امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے، اتنے میں ایک طالب علم آیتِ سجدہ تلاوت کرتا ہوا آیا جسے امام اور مقتدی سبھوں نے سنا، پھر اس نے امام کی اقتدا کر کے نماز پڑھی۔ امام صاحب نے آیتِ سجدہ سن کر سجدہ کر لیا اور مقتدیوں نے بھی مع اس طالب علم کے کر لیا تو اس صورت میں نماز ہو گی یا نہیں؟

جواب: مذکورہ بالا صورت میں ان لوگوں کے لیے بہتر یہ تھا کہ نماز سے فارغ ہو کر سجدۂ تلاوت کرتے تاہم مذکورہ صورت میں جب کہ نماز ہی کے دوران سجدہ کر لیا نماز ہو جائے گی اور بعد از فراغتِ نماز سجدۂ تلاوت کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ولو سمعها المصلي من غير سجد بعد الصلاة، قوله ''المصلي'' يشمل ما إذا كان إماما او لاو قوله ''من غيره'' يشمل ما إذا كان مصليا او لا، كما صرح به الشيخ إسماعيل عن البرجندي الخ (منحة الخالق على البحر ۲/۲۱۴) وكذا في التاتارخانية ۲/۴۷۵.

سوال: اگر کوئی شخص نماز فجر کے بعد آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو اس وقت وہ سجدۂ تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسے شخص کے لیے جائز و درست ہے کہ اسی وقت سجدۂ تلاوت کرے، البتہ اگر سورج نکلتے وقت اس نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی تو اس کے لیے افضل اس وقت سجدۂ تلاوت کو مؤخر کرنا ہے تاہم اگر سجدۂ تلاوت کرے تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔

اما لو وجبتا في هذا الوقت واديتا فيه جاز، لانه اديت ناقصة كما وجبت لكن الافضل في سجدة التلاوة تاخيرها (هندية ۱/۵۲) فلا خلاف في ان قضاء الفرائض والواجبات في هذه الاوقات (ما بعد طلوع الفجر إلى صلاة الفجر و ما بعد صلاة الفجر إلى طلوع الشمس و ما بعد صلاة العصر إلى مغيب الشمس) جائز من غير كراهة. (بدائع ۲/۲۹۴)

سوال: اگر کوئی شخص کوئی مضمون لکھتے وقت آیت سجدہ لکھے اور زبان سے اس کا تلفظ نہ کرے تو اس صورت میں اس کے ذمہ سجدۂ تلاوت کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

جواب: سجدۂ تلاوت کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب کہ آیت سجدہ کی قرأت کرے یا سنے، جب اس نے فقط آیتِ سجدہ کو لکھا ہے تو پھر اس کے ذمہ سجدہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

يجب بسبب تلاوة احترز عما لو كتبها او تهجاها فلا سجود عليه. (شامی ۲/۵۰۳)

وفي النهر ۱/۳۳۸ وفي ذكر التلاوة إيماء إلى انه لو كتبها او تهجاها لم تجب الخ.

سوال: ایک شخص آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرے، پھراُسی آیت کواُسی جگہ دوبارہ پڑھے توکیااس کودوبارہ سجدہ کرنا ضروری ہوگا؟

جواب: جب مجلس ایک ہی ہے تو وہی سجدہ جواس نے ازیں قبل کیا ہے اس کوکافی ہوگا، دوبارہ سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

فتنوب الواحدة في تداخل السبب عما قبلها وعما بعدها. (درمختار ۱/۱۰۶)

سوال: کسی شخص نے دورانِ تقریر آیتِ سجدہ کا فقط ترجمہ کیا اورلوگوں کوسنایا توکیا اس سے تقریر کرنے والے اور سننے والوں پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا؟

جواب: سجدۂ تلاوت میں سجدہ واجب ہونے کے لیے آیتِ سجدہ کے الفاظ کی تلاوت یا پھران کا سننا سبب ہے، صورتِ مسئولہ میں آیتِ سجدہ کا تلفظ اوراس کا سننا نہیں پایا گیا تو پھر سجدہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

تجب بسبب تلاوة آية. (درمختار ۱/۱۰۴)

سوال: اگر ریڈیو کے ذریعے کوئی قرآن کریم سن رہا ہواسی دوران آیتِ سجدہ آگئی جسے اس نے سنا تو پھراس کے ذمے سجدہ کرنا ضروری ہوگا؟

جواب: ریڈیو پر اگر براہ راست قرآن کریم کی تلاوت ہورہی ہے اوراس میں آیت سجدہ پڑھی گئی جسے کسی نے سن لیا تواس کے ذمے سجدہ کرنا ضروری ہوگا، اوراگراس میں قرآن کریم کی تلاوت ریکارڈ شدہ ہے جسے وقتاً فوقتاً کھولا اور سنا جاتا ہے تو پھراس صورت میں سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

یہ اس لیے کہ سننے والوں پر سجدہ کرنا واجب اس وقت ہوتا ہے جب کہ تلاوت کرنے والا ایسا ہو جو وجوبِ نماز کا اہل اور لائق ہو۔

لان السجدة جزء من اجزاء الصلاة فيشترط لوجوبها أهلية وجوب الصلاة من الإسلام والعقل و البلوغ والطهارة من الحيض والنفاس........... وكذا تجب على السامع بتلاوة هولاء. (بحر ۲/۲۱۱، زکریا)

تلاوت براہ راست نشر ہونے کی صورت میں سجدہ واجب ہونے کی شرط پائی جارہی ہے کہ تلاوت کرنے والا اہل ہے وجوبِ نماز کا، لہٰذا سجدہ کرنا ضروری ہے اورریکارڈنگ کے ذریعے تلاوت ہورہی ہوتو شرط وجوبِ سجدہ کی پائی نہیں جارہی ہے، لہٰذا سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

سوال: کوئی معلمہ ہے جسے ماہواری آرہی ہے، اس نے بچوں کوآیت سجدہ پڑھائی توکیا اس معلمہ

پر اور بچوں پر سجدہ کرنا ضروری ہے؟

جواب: ایسی معلمہ کو چاہیے کہ بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم رواں نہ پڑھائے، بلکہ ضرورت ہو تو حروف وکلمات کو ہجے کر کے بتا دے، اس لیے کہ حالتِ حیض میں قرآن کریم کی تلاوت ممنوع ہے۔

ویمنع (الحیض) صلاۃ و صوما ....وقراءۃ القرآن.(۱۳۲/۱) ولذا قالوا: لا یکر التجي بالقراءۃ و لا خفاء اذ بالتعلیم کلمۃ کلمۃ لا یعد قارئا. (النر: ۱۳۴/۱، وکذا في شامي ج ۲، ص ۵۸۳)

تاہم اگر اس معلمہ نے ایسا کیا کہ بچوں کو آیتِ سجدہ پڑھ کر بتائی تو نہ اس کے ذمے سجدہ کرنا ہے اور نہ بچوں کے ذمے، کیوں کہ دونوں ہی وجوبِ نماز کے اہل نہیں ہے۔

فیشترط لوجوب أھلیۃ وجوب الصلاۃ (بحر ۲۱۱/۲)

سوال: ایک شخص نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی، پھر نماز پڑھنے لگا، نماز میں بھی اس نے وہی آیت تلاوت کی اور سجدہ کی تو اس صورت میں اس کا پہلا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت میں اس کا پہلا سجدہ بھی ادا ہو گیا، درمختار میں ہے:

ولو لم یسجد أو لا کفت واحدۃ لأن الصلاتیۃ أقوی من غیرھا الخ (۱۰۶/۱)

کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشادِ نبوی ہے کہ ”ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا بعدي أبدًا إن تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتي“ اس کا حاصل یہ ہے کہ علم حاصل کرو قرآن سے اور عمل حاصل کرو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے۔ علم وعمل جب درست ہوگا تو علمی فتنے بھی ختم ہو جائیں جو عقائد کو برباد کرتے ہیں، اور عملی فتنے بھی ختم ہو جائیں گے جو اتباعِ سنت کو برباد کرتے ہیں اور بدعات ومنکرات میں لوگوں کو مبتلا کر دیتے ہیں، انھیں دو کے مجموعے کا نام شریعت ہے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (جواہر حکمت، از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، ص: ۸۵)

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث جامعہ ہذا

انجمن کواکبِ انور کا افتتاح

تحریر وتقریر کی اہمیت ہر دور میں مسلم رہی ہے، اور مدارس میں اس کا باقاعدہ نظام ہوتا ہے! جہاں ایک طرف یہ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ ہے تو وہیں دوسری طرف دعوت وتبلیغ میں بھی انتہائی مؤثر۔اسی اہمیت کے پیش نظر جامعہ کے قیام کے روزِ اوّل سے ہی ’’انجمن کواکبِ انور‘‘ قائم ہے، جس میں طلبہ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں تحریر وتقریر کی مشق کرتے ہیں، چناں چہ سالِ رواں انجمن کا افتتاحی اجلاس مؤرّخہ ۱۸؍اگست ۲۰۱۶ء کو بعد نماز مغرب مسجد انور شاہ میں منعقد ہوا، پروگرام کا آغاز محمد حسین مظفر نگر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، جب کہ نعت نبی پیش کرنے کی سعادت محمد مجیب ایم، پی کو حاصل ہوئی۔

اس موقع پر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مدظلہٗ (صدرالمدرسین جامعہ) نے فرمایا کہ تحریر وتقریر کی اہمیت وافادیت ہر زمانے میں مسلم رہی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت مزید اجاگر ہو کر سامنے آرہی ہے، یہ دونوں نہ صرف یہ کہ دنیا کی ضرورت ہیں بلکہ دین کی نشرواشاعت اور علم دین کے فروغ کا اہم ذریعہ بھی ہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی دعوت وتبلیغ کے لیے ان دونوں ذرائع کو اختیار کیا اور اس کے بیش بہا فوائد بھی حاصل ہوئے۔

حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہٗ (استاذ دارالعلوم وقف) نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ طلبہ کو چاہیے کہ انجمن کواکبِ انور کے مربوط نظام اور نگراں اساتذہ سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، اس میں خوب دلچسپی لیں اور اوراپنی صلاحیتوں میں جلا پیدا کریں، وقت کی قدر کریں اور زیادہ سے زیادہ اپنے اکابر کی کتابوں سے استفادہ کریں اور دیکھیں کہ انھوں نے کس طریقے پر یہ مقام اور مرتبہ حاصل کیا ہے۔

اس موقع پر حضرت مولانا مفتی وصی احمد صاحب بستوی مدظلہٗ (ناظم اعلیٰ انجمن)، حضرت مولانا شیث احمد صاحب مدظلہٗ، جناب مولانا مفتی عمر اعجاز صاحب اور جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب (اساتذۂ جامعہ) نے شرکت کی۔ ادارے کے استاذ حدیث حضرت مولانا شیث احمد صاحب مدظلہٗ کی پرسوز دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

کتابوں کی ماہانہ مقدارِ خواندگی کی اطلاعاتی تحریر

حسبِ سابق دفتر تعلیمات کی جانب سے اساتذۂ جامعہ کو کتابوں کی مقدارِ خواندگی سے متعلق اطلاعاتی تحریر دی گئی، تاہم اس سال سے مکمل مقدارِ خواندگی کو ماہانہ وار تقسیم کر دیا گیا ہے، تاکہ اس کے مطابق اساتذہ اپنی متعلقہ کتابوں کو بخوبی نصاب تک پہنچا سکیں۔

جامعہ میں ماہانہ امتحان

پختہ بنیادی تعلیم اور طلبہ کی استعداد سازی کے پیش نظر امسال سے از سالِ اوّل تا سالِ سوم کی جملہ کتابوں کا ماہانہ امتحان کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے،، اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر مؤرّخہ ۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۷؍ستمبر ۲۰۱۶ء کو مذکورہ جماعتوں کا ماہانہ امتحان لیا گیا، دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مفتی عثمان غنی صاحب ہاوڑوی، حضرت مولانا مفتی مزمل صاحب بدایونی، دارالعلوم وقف سے حضرت مولانا مفتی محمد اسعد صاحب گورکھپوری اور جامعہ سے حضرت مولانا شیث احمد صاحب بستوی، حضرت مولانا مفتی نثار خالد صاحب دیناج پوری اور حضرت مولانا مفتی نوید صاحب دیوبندی مدظلہم بطور ممتحن تشریف لائے۔

عیدالاضحیٰ کے بعد ماہانہ امتحان کے نتائج بھی آویزاں کر دیے گئے۔ پوزیشن یافتہ طلبہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

نام طالب علم مع سکونت	درجہ	پوزیشن
محمد اجمل غنی دیوبند	عربی اوّل	اوّل
محمد اظہر اڑیسہ	عربی اوّل	دوم
محمد عمر نعمانی مظفرنگر	عربی اوّل	سوم
رفیع اللہ سنت کبیر نگر	عربی دوم	اوّل
عبید اللہ سنت کبیر نگر	عربی دوم	دوم
اسعد اللہ نئی دہلی	عربی دوم	دوم

محمد عامر سنت کبیر نگر	عربی دوم	سوم
مستفیض اختر بنگال	عربی سوم	اوّل
مجاہد الاسلام بنگال	عربی سوم	دوم
محمد جنید مظفر نگر	عربی سوم	سوم

جامعہ میں تعطیل عید الاضحیٰ

حسبِ سابق عید قرباں کے پیش نظر جامعہ میں ۶/ذی الحجہ تا ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۹/ستمبر تا ۲۳/ستمبر ۲۰۱۶ء تعطیل رہی، اطراف و جوانب اور مختلف صوبوں سے وابستہ طلبہ اپنے اپنے وطن چلے گئے، تعطیل کے اختتام کے ساتھ حسبِ اعلان ۲۳/ستمبر کو طلبہ جامعہ میں حاضر ہو گئے، اسی طرح اساتذۂ جامعہ بھی متعینہ وقت پر تشریف لے آئے، اب الحمدللہ تعلیمی سلسلہ شروع ہو چکا ہے، طلبہ درس اور تکرار و مطالعہ میں مشغول ہیں، نیز قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے جامعہ کی فضا پھر معمور ہوگئی ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک

عید الاضحیٰ کے موقع پر جامعہ میں قربانی کا نظم

گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی جامعہ میں عید قرباں کے موقع پر قربانی کا عمدہ بندوبست کیا گیا، کئی اصحابِ خیر اور منسلکین جامعہ نے بڑے اور چھوٹے جانوروں کی بڑی تعداد میں جامعہ میں قربانی کرائی، قربانی کا گوشت مستحقین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا، طلبہ و اساتذہ بھی قربانی کے گوشت سے مستفید ہوئے، امسال کٹڑے اور بکرے کی تعداد سالِ گذشتہ سے زائد رہی۔

قربانی سے متعلق جملہ امور جامعہ کے اساتذۂ کرام و کارکنان جناب ماسٹر زعیم عابد صاحب اور مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی کی زیر نگرانی بحسن و خوبی انجام پائے۔

بابِ معظم شاہ سے دار الحدیث تک پختہ سڑک کی تعمیر

اللہ کے فضل و کرم، رئیس الجامعہ کے شبانہ روز جد و جہد اور متعلقین جامعہ کے مخلصانہ تعاون کی وجہ سے جامعہ میں تعمیری کام مسلسل جاری ہے، جامعہ کی وسیع و عریض اور بلند و بالا عمارت ''دار الحدیث'' (انور ہال) کے چہار جانب سنگ مرمر کی تنصیب مکمل ہو چکی، نیز عمارت کے سامنے بھی نہایت خوبصورت فرش کا کام مکمل ہو چکا ہے، تعطیل عید الاضحیٰ میں بابِ معظم شاہ (صدر گیٹ) سے دار الحدیث تک کی پختہ سڑک بھی تیار ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارے کو مزید تعلیمی و تعمیری ترقیات سے نوازے۔ آمین یا ربّ العالمین

وفیات

مولانا محمد مقبول صاحب جوارِ رحمت میں

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد مقبول صاحب ۱۶-۱۷/ ستمبر کی درمیانی شب میں رحلت فرما گئے۔

مرحوم مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الٰہ آبادیؒ کے نواسے اور دار العلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔ انتہائی خلیق، ملنسار، متواضع اور سادہ طبیعت کے مالک۔ عطر کی تجارت سے وابستہ تھے اور اپنے والد محترم کے دینی، علمی و عرفانی کاموں میں مشیر کار بھی۔ ادارہ دار المعارف الاسلامیہ کریلی الٰہ آباد کے اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی، جسے آپ نے بخوبی انجام دیا اور ادارے کی ترقی کے لیے ہمیشہ فکرمند بھی رہے۔

عمر کی ابھی ۶۵/ بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ بلڈ کینسر جیسے موذی مرض نے آدبوچا اور پھر چند مہینے کے بعد ہی ربّ ذوالجلال والاکرام سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رئیس الجامعہ اور کارکنانِ ادارہ نے اس موقع پر ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا اور مرحوم کے درجات کی ترقی کے لیے دعا بھی کی۔

حکیم سیّد مشرف علی صاحب دیوبندی کا انتقال

گزشتہ دنوں دیوبند اور اس کے قرب وجوار میں ڈینگو بخار کی وجہ سے متعدد اموات ہوئیں، ان میں دیوبند کے معروف خاندانی طبیب حکیم سیّد مشرف علی صاحب دیوبندی کا انتقال مؤرّخہ ۲/ ذی الحجہ مطابق ۵/ ستمبر میں ہوا، موصوف کے انتقال پر حضرت رئیس الجامعہ نے تعزیت پیش کی، اور ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام کیا۔ موصوف کی تدفین ’’مزارِ انوری‘‘ میں عمل میں آئی۔

مولانا سیّد عبد القادر قاسمی کی اہلیہ کی ناگہانی وفات

حضرت مولانا سیّد ابو الکلام صاحب مدظلہٗ سابق مبلغ دار العلوم وقف دیوبند کے صاحبزادے مولانا سیّد عبد القادر قاسمی کی اہلیہ کی مؤرخہ یکم ذی الحجہ مطابق ۴/ ستمبر میں ناگہانی وفات ہوگئی، حضرت رئیس الجامعہ اور اساتذہ وکارکنان نے تعزیت پیش کی، اور جامعہ میں ایصالِ ثواب کا اہتمام بھی کیا۔ نمازِ جنازہ احاطۂ مولسری میں ادا کی گئی، جب کہ تدفین مزارِ قاسمی میں عمل میں آئی۔

واردین وصادرین

جامعہ امام محمد انور شاہ ملک کا ایک نیک نام اور مستند ادارہ ہے، بانی جامعہ حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ سے مخلصانہ تعلق رکھنے والے علمی، سماجی اور سیاسی افراد مسلسل جامعہ میں تشریف لاتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں جناب محترم خالد ظہیر صاحب بی ایچ ایل ہریدوار سے تشریف لائے، نیز عیدالاضحیٰ کے متصلاً بعد میوات سے مولانا رحمت اللہ قاسمی کی قیادت میں ایک وفد جامعہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، ان حضرات نے جامعہ کی بلند و بالا عمارت ''انور ہال''، دیدہ زیب ''مسجد انور شاہ'' و دیگر عمارتوں کا معائنہ کیا، جامعہ کی علمی و تعمیری سرگرمیوں پر قلبی اطمینان اور مسرّت کا اظہار کیا۔

بلا نیت بھی اتباعِ سنت میں ثواب ملے گا

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

محض اتباع کی نیت کرلو، اور کوئی مقصود پیش نظر نہ رکھو، ان شاء اللہ تمام مقاصد جتنے بھی ہیں، سب خود بخود حاصل ہوں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر ادا کو محفوظ فرمالیا ہے، اگر کوئی بے خیالی میں بھی اتباع کرلے گا تو بھی اسے ثواب ملے گا۔ (مثال کے طور پر اپنے عزیز دوستوں میں ایک مریض ہے، ہم بے تکلفانہ اس کو پوچھنے چلے گئے، نہ سنت کی نیت کی اور نہ ہی اتباع کی) حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: کیوں کہ عمل اتباع کے مطابق ہوگیا، چاہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، ثواب ملے گا۔ (یادگار باتیں: ۱۵۷)

پیر دانا کی دو باتیں

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے برطانوی دور حکومت میں چار سال تک مالٹا کی قید و بند کی زندگی گزارنے کے بعد جب واپس ہوئے تو یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ پھر ایک لمحہ کے بعد کانوں میں یہ الفاظ گونجنے لگے۔ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑنا۔ دوسرے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی، اس کے لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن شریف کو لفظاً و معنیً عام کیا جائے بچوں کے لئے مکاتب قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ (شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) (پیدائش ۱۸۵۱ء وفات ۱۸۲۰ء)

حادثۂ عظیم

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے
وصال کے آخری لمحات حضرت شاہ صاحبؒ کی ذاتی ڈائری سے

۱۱؍رجب کی شب میں قلب کا درد شروع ہوا۔ ۱۱؍رجب بروز پیر۔ تمام دن انتہائی کرب و بے چینی سے گزرا، طلبہ اور اساتذہ متعلقین ومتوسلین عیادت ومزاج پُرسی کے لیے برابر حاضر ہوتے رہے۔ حکیم شفیق صاحب معالج تھے۔ اس کے بعد حکیم زین العابدین سہارنپوری کی طرف مراجعت کی گئی، اگرچہ ان کا علاج نہیں کرایا گیا۔ شبِ پیر ڈاکٹر بلدیو سُہائے کی رائے پر انجکشن تجویز ہوا اور انجکشن لگوائے گئے، رات گئے طلبہ و اساتذہ کا ہجوم رہا، خاکسار مولوی ابوالہاشم بریسالی کے ساتھ شب میں تقریباً دس بجے پہنچا۔ مولانا شدید اضطراب میں مبتلا تھے، کچھ دیر کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ ’’بھائی چلے جاؤ، میرا کہنا تو مان لو‘‘ (یہ آخری الفاظ تھے جو خاکسار نے حضرت کی زباں سے سنے) اس پر میں چلا آیا۔ موجود طلبہ میں مولوی سعید الرحمٰن، محمد احمد صاحب لدھیانوی اور شعیب بھاگلپوری موجود رہے۔ تمام رات مولانا نے بے چینی کے ساتھ گزار دی۔ صبح چار بجے ڈاکٹر کی تجویز پر سر پر قمر الہدیٰ بھاگلپوری نے مالش کی، مولوی محمد نے فرمایا کہ میرا سانس اب سینے تک ہے، گلوکوز مجھ کو پلاؤ، اس کے بعد پیشاب کیا اور ٹھیک سوا پانچ بجے جب کہ سپیدۂ سحری نمودار ہو رہا ہے ۱۳؍رجب ۴۷ء بروز منگل کو علم وعمل کا یہ حسین پیکر اس دنیا سے رخصت ہوا جس کو دنیا

’’حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ‘‘ کے نام سے جانتی پہنچانتی تھی۔ ۲۶؍گھنٹے مسلسل بیماری میں کلمہ اور قرآن کی آیات وردِ زبان رہیں، غشی ہوتی تو ابوداؤد کی تقریر فرماتے۔ ساڑھے پانچ بجے جہانگیر آروی کی اطلاع پر خاکسار درِدولت پر حاضر ہوا تو طلبہ بے تحاشہ چیخ وچلا رہے تھے۔ سینکڑوں طلبہ غم کی وجہ سے بے اختیار ہو رہے تھے اور ہر شخص مغموم وملول تھا، گیارہ بجے غسل دیا گیا اور تکفین کے بعد نعش زیارت خاص وعام کے لیے رکھ دی گئی۔ چہرہ مبارک پر تبسم کھل رہا تھا، ظہر کے بعد تقریباً تین بجے نودرہ کی عمارت کے سامنے ایک زبردست ہجوم کے درمیان حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ جنازہ ہجوم کی وجہ سے دارالعلوم سے تین بجے روانہ ہوکر تقریباً پونے چار بجے قبرستان پہنچا اور چار بجے کے قریب اپنی گراں مایہ متاع ہم بدنصیبوں نے خود اپنے ہاتھوں سے زمین کے گوشے میں دفن کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

انظر شاہ

ہوا کے دوش پر

رضوان سلمانی

9897189743

جامعہ امام محمد انور شاہ میں طبی کیمپ

دیوبند اور قرب وجوار میں لگاتار بخار سے متأثرہ افراد کو دیکھتے ہوئے ۲۵ ستمبر ۲۰۱۶ء کو تنظیم علماء ہند اور کیئر فور آر ٹرسٹ آرگنائزیشن کے زیر اہتمام جامعہ امام محمد انور شاہ میں ایک مفت طبی کیمپ کا انعقاد عمل میں آیا جس کا افتتاح تنظیم علماء ہند کے قومی صدر مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کیا۔اس مفت طبی کیمپ میں مختلف امراض کے ماہر ڈاکٹروں نے تقریباً 300 مریضوں کی جانچ کی اور مفت ادویات تقسیم کیں۔اس موقع پر مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے مختلف قسم کے بخار گھر گھر دستک دے رہے ہیں اور ہر گھر میں کئی کئی افراد اس تباہ کن بخار کی زد میں ہیں۔ ایسے میں ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اللہ سے توبہ استغفار کرنا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ یہ بات واضح ہے کہ دنیا دار الاسباب ہے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے موجودہ وبائی امراض پھیلنے کا سبب بندوں کے گناہوں میں اضافہ سمجھ میں آتا ہے۔آج کل کے حالات سے نمٹنے کے لئے ہمارے پاس سب سے مضبوط ہتھیار دعا اور استغفار ہے،اسی لئے ہر مسجد میں آیت کریمہ، درود شریف اور استغفار کی تسبیحات پڑھنے اور فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام کریں، نیز صفائی ستھرائی اور طہارت ونظافت کا اہتمام کریں،غریب طبقے کا دل کھول کر تعاون کریں۔س موقع پر ڈاکٹر ارشد، ڈاکٹر انتخاب، ڈاکٹر ریحان، ڈاکٹر نایاب وغیرہ نے لوگوں کی جانچ کی اور مفت ادویات تقسیم کیں۔کیمپ میں ذکی انجم صدیقی، مولانا زین الدین قاسمی، مولانا نسیم اختر شاہ قیصر، جناب ماسٹر زعیم عابد، فائز سلیم صدیقی، انور سلیم، جوزی صدیقی، حافظ منہال صدیقی، حافظ حمدان شاہ وغیرہ موجود رہے۔

تین طلاق کے مسئلے میں دار العلوم دیوبند کے موقف کی تائید

تین طلاق اور ایک سے زائد شادی کے معاملہ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذریعہ سپریم کورٹ میں دیئے گئے حلف نامے اور تین طلاق و چار شادیوں کے قانون کو صحیح بتاتے ہوئے دلیل پیش کئے جانے کی دار العلوم دیوبند نے حمایت کی، دار العلوم دیوبند نے کہا کہ یہ مذہبی معاملہ ہے اسے سنجیدگی سے لیا جانا چاہئے۔انہوں نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذریعہ کورٹ میں اختیار کئے گئے رخ کی حمایت کی ہے۔مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اس رخ کے بارے میں جامعہ امام محمد انور شاہ کے مہتمم مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ وہ بورڈ کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں، ہندوستان میں ایک لابی ایسی ہے جو طلاق ثلاثہ کی مخالفت کے بہانے یکساں سول کوڈ کا نفاذ کرانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔عدالت میں ان کے خلاف مضبوط دلائل پیش کرنا ضروری ہے۔انہوں نے کہا کہ دنیا کے زیادہ تر اسلامی ممالک میں تین طلاق کو تسلیم کیا گیا ہے۔مسلم پرسنل لاء بورڈ اور دوسری تنظیموں کو چاہئے کہ وہ عدالتوں میں آگے بھی اپنا موقف صحیح اور مضبوط طریقے پر رکھیں اور عدالت عظمیٰ کو مطمئن کریں جس سے کہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہی آئے۔واضح ہو کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اپنے حلف نامے میں سپریم کورٹ سے کہا ہے کہ کورٹ مسلم پرسنل لاء بورڈ میں مداخلت نہ کرے کیوں کہ یہ قرآن وشریعت کے مطابق ہے۔ تین طلاق کے سلسلہ میں بورڈ نے دلیل دی کہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے والا شخص تنگ آکر بیوی کو قتل کرنے جیسا غیر قانونی طریقہ اختیار کرسکتا ہے، ایسے غیر قانونی طریقے سے بہتر تین طلاق ہے، چار شادیوں کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لاء

بورڈ نے کہا کہ چار شادیاں جائز ہیں اس کی قرآن وحدیث میں اجازت ہے۔

اسلامی بینکنگ کے نظام کا خیر مقدم

ملک میں پہلی اسلامک بینکنگ کی شاخ شروع کئے جانے کو یہاں کے علماء نے خوش آئند اور قابل قدر پہل قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس سے ملک کو سودی نظام سے نجات حاصل ہوگی اور مسلمان اپنے عقیدے پر برقرار رہتے ہوئے تجارت کرسکیں گے۔ اس سلسلے میں جامعہ امام محمد انور شاہ کے مہتمم مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی نے کہا کہ اس نظام سے نہ صرف مہاجنی نظام اور سودی بینکنگ سے غریب عوام کو راحت ملے گی بلکہ ملک کی معیشت میں شفافیت آئے گی۔ اسلامی بینک کاری کا عمل ملک میں شروع کئے جانے کے حوالہ سے انہوں نے کہا کہ ہندوستانی بینکنگ نظام غریبوں کو غریب تر اور سرمایہ داروں کو مزید دولت مند بناتا ہے، اس طرز کی معیشت سے سماج میں غربت کو بڑھاوا ملتا ہے کیونکہ موجودہ بینک کاری عوام کے مفاد میں کام نہیں کرتی ہے بلکہ بینک اپنے سرمایہ میں اضافہ کرکے مٹھی بھر لوگوں کی عیش پسندی کا سامان فراہم کرتا ہے اور یہ بینک سود کی رقم پہلے وصول کرتے ہیں بعد میں اصل رقم وصولی جاتی ہے۔ آج ملک کو اسی طرح کے نظام معیشت کی ضروت ہے جو غربت کے دائرہ سے نکال کر ایک شفاف نظام کی طرف لیکر چلتا ہے۔ مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک خوش آئند قدم ہے انہوں نے کہا کہ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی نظام معیشت اور اس طریقہ تجارت کی بنیاد پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے رکھی تھی چنانچہ اسلامی عقیدے پر سختی سے کاربند مسلمان اسلامی طور طریقے کے مطابق شروع سے ہی تجارت کرتے آئے ہیں۔

اڑی فوجی کیمپ پر حملے کی مذمت

مؤرّخہ ۱۸ رستمبر کو علی الصبح پاکستان کی سرحد کے نزدیک واقع اڑی سیکٹر کے فوجی کیمپ پر حملہ کو بزدلانہ حرکت قرار دیتے ہوئے تنظیم علماء ہند کے قومی جنرل سکریٹری مولانا عبدالرشید بستوی نے شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ایسے وقت میں جب کہ وادیٔ کشمیر میں تقریباً ڈھائی مہینوں سے زندگی عملاً مفلوج ہے اس طرح کی کارروائی انتہائی افسوسناک ہے۔ مولانا نے جاں بحق ہونے والے فوجیوں کے اہل خانہ سے تعزیت کی اور اس طرح کی حرکت کو انسانیت کے خلاف قرار دیا۔ انہوں نے اپنے بیان میں سیکورٹی اہلکاروں سے اپیل کی کہ وہ نہتے مظاہرین کے خلاف طاقت کے استعمال سے گریز کریں اور انہیں پرامن طریقوں سے منتشر کرنے کو ممکن بنائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ڈھائی مہینوں کے دوران 80 سے زائد وادیٔ کشمیر میں لوگ شہید ہوگئے، سیکورٹی اہلکاروں کی فائرنگ سے 13 ہزار کے قریب افراد کا زخمی ہونا ہندوستان کی اس پالیسی کی خلاف ورزی ہے جس کا مقصد کشمیری عوام کا دل جیتنا ہے۔ مولانا نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ سیکورٹی فورسز نے وزارتِ داخلہ کی ہدایات کو یکسر نظرانداز کرکے اپنے طور پر حالات سے نپٹنے کا تہیہ کرلیا ہے جو کہ بے حد تشویشناک ہے۔ مولانا نے کہا کہ ایسے حالات میں عوام تک ضروریات زندگی کی فراہمی کو ترجیحی بنیادوں پر یقینی بنایا جائے تاکہ مشکلات کو آسان بنایا جاسکے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ملک کا باشعور اور سنجیدہ طبقے کو احساس ہے کہ نکسل متاثرہ علاقوں میں درجنوں سیکورٹی اہلکار نکسلیوں کے حملہ میں جاں بحق ہوگئے لیکن جواب میں فوج اور نیم فوجی دستوں نے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کیا، آئین کی پاسداری کرتے ہوئے کارروائیاں کیں اور کسی بھی مرحلے میں مہلک پیلٹ گن کا استعمال نہیں کیا جب کہ کشمیر میں اس حوالے سے طرزِ عمل یکسر مختلف دکھائی دیتا ہے جو صورت حال کو کنٹرول کرنے میں معاون ثابت نہیں ہورہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس لئے جہاں یہ ضرورت ہے کہ عوام کو اُکسانے اور اشتعال دلانے والوں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے وہیں سیکورٹی فورسز کو بھی زیادہ سے زیادہ تحمل سے کام لینے کی ہدایت جاری کی جائے۔

ترانۂ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

از: حضرت مولانا ریاست علی بجنوری دامت برکاتہم

یہ علم کی وادئ سینا ہے، مانندِ کلیمِ طور ہیں ہم
انوارِ حرم کے جلووں سے، سرشار ہے دل مخمور ہیں ہم

اِس شمعِ صداقت نے سمجھا، پروانۂ حق آگاہ ہمیں
شیدائی حکمت کہتا ہے، یہ جامعہ انور شاہ ہمیں

رندانِ ہدیٰ دوہراتے ہیں، ہر صبح یہاں پیمانِ ازل
سانچے میں زبانِ انظر کے، ڈھلتی ہے یہاں صہبائے غزل

اندازِ بیاں مدہوشی کے، اسرار نہاں خاموشی کے
رندوں کو سکھائے جاتے ہیں، آداب یہاں خونوشی کے

ٹکسال ہے علم وفن کی یہاں، معروف کے سکّے ڈھلتے ہیں
اِس سازِ یقیں کے تاروں پر، احسان کے دیپک جلتے ہیں

اللہ کرے اِس شمعِ حرم، سے سارا زمانہ روشن ہو
مشکوٰۃِ نبوّت کی ضو سے، ہر وادی، وادئ ایمن ہو

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663
Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 9412496763, +91 8006075484
Email: ahmadanzarshah@gmail.com

دارالحدیث، شعبۂ حفظ تا تکمیل افتاء کی درسگاہوں، کتب خانہ ودفاتر پر مشتمل ''انور ہال''



دارالاقامہ کا اندرونی منظر



دارالحدیث (انور ہال) سے بابِ معظم شاہ تک نوتعمیر شدہ سڑک



مسجد انور شاہ کے برآمدے کا منظر



کتب خانہ

